

کاجل سے عطا آکھیں

نوریزہ غزل

رہا تھا وہ اس شخص کے آنے سے پہلے نہیں عجب ہو جائے۔

گز رہے اور آنے والے وقت کو سوچ کر دل چاہا۔

”وہ تو پہلے ہی ہواؤں میں اڑنا رہتا تھا۔

دوسروں کا مذاق اڑانا انہیں نیا دکھانا اور دل شکنی

کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا اب تو نیو پارک اور

بندوں کی پینڈر بنیوں میں وقت گزار کر وہ بالکل

آسان پر ہنسی چکا ہوگا۔“ مہرا نے پرسوج انداز میں

اک نظر سب کے چہروں پر ڈالی تھی۔ سب لوگ

خوشی کا سبب قویع اظہار کر رہے تھے اور کرنا بھی

چاہتے تھے۔ آئین اس گھر کا سب سے بڑا اور لاڈلا

بیٹا تھا۔ اپنی ذہانت خوش گفتاری اور جاذبیت سے

سب کا دل منہ لپکتا تھا اسے ہر شخص کے ساتھ اس

کی دلچسپیوں کے مطابق گفتگو کرنے کا فن آتا تھا

”آئین بھائی پاکستان آرہے ہیں۔“

شرہ نے انہیں اندر آتے دیکھ کر زوردار

آواز میں بتایا تھا۔

”Really“ سدرہ نے خوشی سے بھرپور

لہجے میں کہا۔

”بالکل، ان کا صبح فون آیا ہے کہ وہ پرسوں

رات تین بجے کی فلائٹ سے پاکستان پہنچ رہے

ہیں۔“ شرہ کا لہجہ کھٹک رہا تھا اور سدرہ کے ہمراہ

کھڑی مہرا کے اندر سناٹے اتر گئے۔

”آئین واپس آ رہا ہے کیوں اور کس لیے!

کیا یہ ضروری تھا کہ پانچ سال بعد جب یہ شخص

واپس اس گھر میں آتا تو میں یہیں موجود ہونی اس

کی ذات سے متعلقہ تکیوں کا زہر پینے کے لیے۔“

اس کو آنکھوں میں مرچیں سی جھینے لگیں

کاجل



اور اسی لن کے استعمال سے وہ ہر اک کو اپنے میں اتار لیتا تھا۔ دیے ہی جیسے ایک دن اس گھر کے افراد کو اس کے خلاف شے میں اتار لیا تھا اور اس کا عکس دھندلا ہٹوں کے حوالے کر کے خود پر دیکھ کر جابسا تھا۔

”ہاں چتا چل گیا۔“ وہ سپاٹ لکھ میں بولی۔

”تو جہیں خوش نہیں ہوئی۔“ وہ اسے غور سے دیکھنے ہوئے بولیں۔

”خوش میرے خیال میں ہمارے درمیان ایسا کوئی حوالہ نہیں جو باعث مسرت ہو جیسے یاد کر کے میں اس کے آنے کی خبر پر کوئی خوشگوار تجربہ کروں۔“

”پھر بھی میرا وہ تمہارا غرٹ کزن ہے اور.....“

”Please اس کزن شپ کی نہ تو اس کی نظر میں کوئی اہمیت ہے نہ میری نظر میں جن لوگوں کے لیے اس سے رشتہ اور تعلق ہے وہ اس کے آنے کی خوشی میں بھگڑے ڈالیں گیت گائیں ا don't care“ وہ خشک انداز میں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

”کس قدر پرسکون زندگی گزر رہی تھی یہ پچھلے پانچ سال اس نے کیے کثرت کاٹنے کے بعد اپنے لیے جیسے کے بنانے ملائے تھے اور خود کو اک اوچے باوقار بااعتماد اور معزز مقام تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو بنیادی ذہانت اور برداشت کی بھی یہ چڑھا دیا تھا وہ لوگ جن کی نگاہوں میں بڑی محنت بڑے صبر اور بڑے حوصلے کے ساتھ اس نے اپنے لیے شفقت محبت اور نرمی کے چراغ جلائے تھے۔ وہ انہیں ماضی کی ذلالت اور تنہیک کے حوالے کرنے پھر آدھا تھا اس کے سکون کے سمندر میں اضطراب کی گہری لہریں اٹھنے لگی تھیں اور ان لہروں کی پھل دل کے سونے درو کو پھر سے جگنے لگی تھی

خود کو کسی الامکان لا تعلق رکھتا ہے۔“ فیصلہ کر کے وہ ہلکی ہلکی ہوئی اور اس کے پاس آئینھی۔

”آئیے میرا آپ میں چائے لیے آپ کے انتظار میں تھی۔“ بشرہ بولی۔

”میں بشرہ اس وقت میرا چائے کا موڈ نہیں ہو رہا۔“ وہ بے دردی سے بولی۔

”کیوں آپ تو اس وقت لازماً چائے پیتی ہیں۔“

”ہاں مگر آج کینٹین سے دو دفعہ پی تھی اسی لیے مزید پینے کا موڈ نہیں ہو رہا تم سناؤ کیا رہا تمہارا کان خوب۔“ وہ بات کا موضوع بدلتے بولی۔

”بہت زبردست مجھے معلوم نہ تھا کہ پاکستان کے پہاڑی علاقے اپنے دامن میں اتنا حسن سمیٹے ہوئے ہیں۔ مری تھیاتی چونی میراں سوات کا لام اتنے حسین نظارے ایسی خوبصورت وادیاں اور قدرت کی اتنی دلکش صافیاں کہ میں جی چاہتا تھا سب چھوڑ چھاڑ کر انہیں سمجھنے میں خوشبو بھری ان وادیوں کے حسن دگر میں بیٹھ رہیں۔ یہ آٹھ دن یوں ہلک جھکتے گزرے کہ چتا ہی نہ چلا۔“ بشرہ آنکھوں میں نرا ریا م کی چمک دنازی کے لیے مسخوری بولی۔

”اور دیکھ لو یہی خوبصورت وادیاں یہی دلغریب مناظر اور یہی جنتے جنتے چہرے ہم آنسوؤں اور آہوں سے غمرہ دہکی اور رنجیدہ کر رہے ہیں۔ کئی خوبصورت مٹی یہ دنیا کتنا حسن دیا تھا اب نے ہمیں مگر ہمارے اندر کینٹن فٹوں اور سارا شوں نے اس کا سارا حسن دھندلا دیا۔“

”یہ تو ہے اور بڑا دکھ یہ ہے کہ ہم اسے بچا۔ نہ کو اب بھی کچھ نہیں کر رہے منتظر ہیں ہاتھ پر ہاتھ ہمارے اثر سے اور ہمارے دکھ ہمارے گناہ سنبھالے جبکہ ہم اپنی ناپاک منصبوں کے ہاتھوں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے

کے بھی قابل نہیں رہے کبجا کہ کسی انعام و کرام کے۔“

”خدا خیر کرے بہت سنجیدہ اور عالمانہ قسم کا ماحول بنا ہوا ہے۔“

”سردہ اپنا چائے کا کپ اٹھائے ان کے برابر آئینھی۔“

”بس یونہی حالات حاضرہ یہ بات ہوئی تھی تم کہو موڈ ہے تو ایک چکر مار کیت کا لگا لیں مجھے کچھ ضروری بکس لینی ہیں اور دو نئے فلیٹ شوز۔“

”میرا سنے اسے برخیاں انداز میں دیکھا تھا۔

”ابھی گزشتہ ہفتے تو تم نے دو نسل ہیل والے سینڈل لیے ہیں۔“ سردہ نے بھونپی اچکاتے ہوئے پوچھا۔

”بارود تنگ کرتے ہیں آرام وہ انداز میں چلا نہیں جاتا اور تم تو جانتی ہو میرا سارا دن یونیورسٹی ڈیپارٹمنٹس کے چکر کاٹنے گزرتا ہے تو

وقت ہوئی ہے پچھنے میں اسی لیے سوچتی ہے کہ کچھ سوئی چل سہی اسامش ی جوتیاں خرید لوں۔“

”اے کے پھر پیچ کر لو نہیں بھائی گھریہ ہیں ان کی گاڑی لے لیتے ہیں ذرا بحث ہو جائے گی ٹائم کی۔“ سردہ اٹھتے ہوئے بولی۔

☆ ☆ ☆

آج یونیورسٹی سے واپسی میں اسے کافی دیر ہوئی کیونکہ اسے اسائنمنٹ کے لیے لائبریری سے بکس ایٹو کروا کے کچھ اہم پوائنٹ نوٹ

کرنے تھے وہ اور سردہ بڑی تیزی سے اہم چیزیں نوٹ کر کے فارغ ہوئیں تو خاصا وقت ہو چکا تھا۔

مگر دیر سے آنا مسئلہ نہ تھا، مسئلہ بڑی امی کا پورن تھا یہاں سے گزر کر اسے اپنے پورن میں جانا پڑتا تھا اور بڑی امی کے ہاں آج کل ہر وقت

میلہ سا لگا رہتا تھا آدین کے آنے کی اطلاع پا کے اس کا ذکر صبح و شام کا معمول بن چکا تھا اور اسے اس ذکر سے دشت ہوتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب

135/-

200/-

225/-

200/-

200/-

130/-

175/-

200/-

165/-

165/-

165/-

250/-

200/-

160/-

160/-

120/-

120/-

120/-

120/-

120/-

120/-

120/-

120/-

120/-

120/-

ڈاکٹر منوکی عبدالحق

قواعد اردو

انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیب ستر

طیب غزل

طیب اقبال

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار لاہور

فون نمبر: 7321690-7310797

”کیا تھا جو یہ شخص مجھ اور دن میری زندگی
پر سکون رہنے دیتا میں کچھ اور وقت بے فکری سے
گزارا کرتی۔“ وہ گیت سے اندر آتے ہوئے سوچ
کر رہ گئی۔

”نی بی آپ کو چاہیے آؤں یا پاکستان
آنے والے ہیں۔“

گھر پر ملازمہ بھجوائے دیکھتے ہی اپنے پہلے
دراہوں کی نمائش کرتے ہوئی۔

”ہاں پتا چل گیا۔“ وہ سر جھٹک کر آگے
بڑھی۔ اپنے معمول کے مطابق کپڑے بدل کے

کھانا کھا یا سب کو پوچھا اور آؤں کے آنے کی خبر
پر کوئی رد عمل ظاہر کے بغیر وہ روزانہ کی طرح آج

بھی فزین پیچی کے پورٹ میں شہر، سندھ کے
ساتھ بیٹھی اسٹیشن تیار کرتی رہی مختلف نکات پر

بحث میں مصروف تھی۔ اس کے دو دن تک جان بوجھ
کر اس نے خود کو صرف اپنے کمرے تک محدود رکھا

اور تیسرے دن جب وہ مگن سے چائے کا گنگ لے
کر اپنے بیڈروم کی جانب جارہی تھی آؤں

راہیں اور چلی بیچوسے گئے ملنا لڑکیوں کے
سروں پر شفقت سے ہاتھ دھکا وہ بہت سویرے اور

ڈسینٹ لگ رہا تھا۔ چیلے چیرے پر سچے دلکش
فتوش اینٹوں سے بننے کی خوشی میں تھمتے اور

پہلے سے قدرے مضبوط کسرتی بننا مت وہ مانتی
سے زیادہ پر کشش نظر رہا تھا وہ جو چاہے سے بھرا

لگ لیے جانے کو کھڑی تھی اک گہرا سانس لیتی
آگے بڑھی۔

”کیسی ہوا“ وہ اس سے پوچھا رہا تھا لہر
کو اس کی نظریں انہیں آؤں کے چہرے پر گزری

باقوں کا شائبہ نہ تھا۔
”قائن“ وہ مختصر جواب دے کر فوراً مڑ گئی

تھی۔ پھر اس نے سارا دن صرف آؤں سے
بچنے کے لیے سرور و گاہانہ کر کے سو کر گزارا تھا۔

نیں شام کو اسے فزین باہر نکلتا ہی پڑا کہ یہ
بڑے کا حکم تھا چاہے کسی کو جھوک ہو یا نہ ہو لیکن

شام کو تمام افراد دسترخوان پر موجود ہونے
چاہیے۔ نیا پہرہ وہ خاموشی سے اسی کے پاس

آکر بیٹھ گئی اور سانس پلٹ میں نکال کر روٹی لینے
کے لیے ہات ہات کی طرف ہاتھ بڑھایا اسی بل

ای کے دوسرے طرف بیٹھے آؤں نے بھی روٹی
اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ ان دونوں کے

ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ سے ٹکراتے پل بھر
کے لیے اس کے اندر سنا بہت ڈور کی جلد ہی ہاتھ

کھینچ کر وہ اٹھ گئی۔
”مہرا کیا ہوا، کھانا کھائے بغیر کیوں جارہی

ہو۔“ بڑی ای نے فوراً لٹس لیا۔ دل میں چاہ رہا
ان کیفیت میری طبیعت ٹھیک نہیں، آپ بس کسی

سے کہہ کر چائے کا ایک کپ مجھے بھجوا دیں۔
”طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو پہلے بتانا تھا

تمہارے لیے کچھ اور پکالیتے۔“ مہرا نے آشوب
سے دیکھا۔

”یہ چاول تو اور تھوڑے کھا کر پھر جائے گا
لینا۔“ اچھی نے اسے چاہت بھرائی تو وہ طبیعت لیے

اپنے کمرے میں آگئی اور مٹی دیر اپنے دائیں ہاتھ
کو گھورتی رہی جس پر آؤں کے مردانہ ہاتھ کا کلس

ظہر سا لگا تھا۔
”گنیز ڈیل خود تو بڑا پارسا بننا ہے اور اس

حرکت۔“ وہ غصے سے بل کھا رہی تھی۔
”سمجھتا کیا ہے آخر یہ خود کو، اب میں پانچ

سال پہلے والی ڈر لوگ، دیوار ہے اعتماد ہی تو عمر
لڑکی نہیں رہی جسے کوئی بھی الزام لگا کر کسی بھی

طریقے سے دبا یا دھکا یا جاسکتا ہے۔ اب میں
ایک پر اعتماد مضبوط اور باجوسل شخصیت کی مالک

ہوں انہیں کا جواب پتھر سے دینا چاہی چکی ہوں
اور رہے تم آؤں علی تو تمہارے دماغ تو میں

منہوں میں ٹھکانے لگا دو گی۔“
آنکھیں بند کرنے سے قبل وہ فیصلہ کر چکی

تھی۔

وہ بہت نامحسوس طریقے سے خود کو الگ ٹھک
کر بیٹھ گئی اور اس کا زیادہ وقت اسٹڈی روم میں

گزر رہا تھا راجن نعمان اور میشرہ چونکہ اس سے
اسٹڈی روم میں ملنے لیتے تھے اور ان دنوں ان کے

کامل ٹرمز تھے سو وہ بڑی تن رہی سے انہیں تیار
کر دیتی تھی اور آؤں یہ سب بہت جانتی تھی

دیکھ رہا تھا اسے اچھی طرح یاد تھا یہ وہی ہر اس
جس کی سکول رپورٹ ہمیشہ کمزور ہوتی تھی جو سر

کے پاس ہونے کے سہرا لیا کرتی تھی اور اس وقت
وہ پنجاب یونیورسٹی کی ٹاپ پوزیشن حوالہ رشونت

جو انگلش لٹریچر کے ماسٹر کو معترف کمال کرنے
والی تھی، ایک اعتماد سے پر ذہن لڑکی بن چکی تھی

اور یہ حیرت انگیز تبدیلی آتی کیسے نے یہی بات اس
کے لیے جرنالی کا باعث تھی اور میرا کہے لیے اس

شخص کا دیوار سے یوں آنا اور گھر تبدیل شدہ
انداز و اطوار کے ساتھ کہ وہ جو ہر وقت دوسروں کا

مناقض اور انسانی کی حقیر و تذلیل میں لگا رہتا تھا
رہا اور وہ سچیدو کے رہنے لگا تھا پھر ہی آپ بھائی

اسے بڑے بکاؤلی تنگہ ستواری۔
”خیر مجھے کیا ہو چھپے جیسا رہے میرا کون سا

اس سے تعلق ہے کہ اپنا دماغ کھپاؤں۔ ویسے بھی
چھپے کے لیے شہر کا نہیں بدلتا وہ بھی اسے دن

نہیں نہیں آخر کو اپنا اطوار پر آئے گا اور یہی لوگ
جو اس کے حوازن اور سچے حوازن پر تبصرے کرتے

نہیں جھکتے منہ میں انگلیاں دابے نظر آئیں گے۔“
وہ خود کو مطمئن کرتی ہوئی زہر ب مسکرائی۔

”آئی کیا بات ہے اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا
ہے۔“ نعمان اچانک بولا تو وہ چونکی۔

”تمہارے لیے یہ جاننا ضروری نہیں تم
اپنے سین پر دھیان دو۔“ وہ ایک دم سے سخت

مزاج ٹیڑھ بن گئی۔
”آئی کج بتائیں آپ پچھلے جسم میں کسی

پر انہری سکون میں استانی تو نہیں رہیں۔“ نعمان
کی زبان میں بھر چکی ہوئی۔

”کیوں“ وہ اسے گھورتے گئی۔

”یہ رعب و دیلا اور ایسا گر جواں لہجہ تو دس
بارہ بڑھی پر انہری کلاسز کے بچوں سے سر کھپائی

کرتی عمر رسیدہ استاتوں کا ہوتا ہے۔“
”بٹ اب تم یہ اندر میں موہیز اور اطرین

جھیل کم دیکھا کرو کیونکہ عمارے مذہب میں یہ
جہوں والا کوئی پکڑ نہیں۔ وہ غرائی۔

”لیکن روح کو تازہ کرنا بھی انسان کا حق
ہے۔“ وہ تورا بولا۔

روح تازہ کرنے کو اسے رب کا ذکر کرو
اچھے موضوعات یہ لکھی سنجیدہ کتابوں کا مطالعہ

کرو۔“ وہ سچا میز لکھے میں ہوئی۔
”اور اگر ایسی کتابیں پڑھتے کو دل ہی نہ

مانے تو۔“
”کیا یاد نہیں ہے ذرا جو اسے فکر ہو جس کھیل

کے وقت گزر گیا۔“ وہ جھٹک کر بولی۔
”آپ کو نہیں پتا آج آسٹریلیا اور سری

لنکا کھیل رہے اور وہ اسے کسی صورت میں نہیں
کر سکتا۔“ انہیں نے کہا تو وہ سر جھک کر رہ گئی۔

”آؤں کا آؤا بگڑا ہوا ہے بڑے بھائی میر
تھے تو یہ سوا میر وہ رات بھر یہ کرکٹ کھج دیکھا تھا

اور اگلے دن پر چڑھائی پکڑا آتا تھا تو یہ کیوں پیچھے
رہے۔“ وہ بڑبڑائی۔

”آپ نے ہم سے کچھ کہا۔“ میشرہ نے
کتاب پر جھکا سر ادا پر اٹھایا۔

”نہیں تم چڑھو پتا۔“ وہ سر جھکتے ہوئے بولی
تھی۔

☆.....☆.....☆

”کیا ہوا تم کی دن سے ہماری طرف آئی
نہیں رہی ہو۔“

”شہر آج اسے پکڑ کر ہی چلی۔“
”یونیورسٹی سے آکر آج ٹھک چکی ہوئی

ہوں کہ کیا باتوں اور میں نہیں آتی تو تم نے کون
سارا سنا تھا۔“

"تھک تو تم پہلے بھی جاتی تھیں پھر بھی ہماری طرف کاڑھا آتی تھیں اور اسی سے ملے بغیر تمہارا کھانا بھی ختم نہیں ہوتا تھا اور وہی میرے آنے کی بات تو تم بخوبی واقف ہو آدین بھائی کے ملے جلے والوں کا تانا بٹنا ہوتا ہے۔ میری بچن سے جان چھوڑے تو باہر نکلوں۔"

شرہ نے جان اسٹاپ ہوتے ہوئے اسے گھورا۔

"بس تو پھر تھک ہے سب کے لیے ہی مسئلے ہوئے ہیں۔"

"تم کو شاد و مریا حوالات میں لگی ہو کہ مسائل درجش آگئے۔ اپنے گھر سے یہاں آتے میں کوئی مسئلہ پیش ہونے لگے۔" شرہ جھک کر بولی۔

"کیا یہ پوچھنے کی ضرورت ہے جبکہ وہ سے تم وقت بھی ہو۔" وہ غیر معمولی سنجیدگی سے بولی۔

"میرا تم ابھی تک اسی بات کو ذہن میں لیے بیٹھی ہو وہ ایک بچے کا قصہ تھا غلط یا درست تم دونوں میں کوئی تعاقب ہو جے گا بھی کسی کو ہوش نہ تھا جبکہ آدین بھائی تو۔"

"Samra please leave this topic"

"میں اس سلسلے میں کچھ نہیں سننا چاہتی وہ بھی تم سے۔"

میرا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو بچوں اس طرح کرنے سے وقت گزر جائے گا جبکہ تم دونوں ایک گھر میں رہتے ہو اور دن میں لگی باور تم دونوں آئے سناٹے ہوتے آتے ہو تو ایک دوپے کو بلائے وقت گزرے گا۔ جبکہ اب تم دونوں اس ٹھن انکا سے نکل کے پھر رات میں اچکے ہو تو ایسی ٹھکیاں کیسے چلیں گی۔" شرہ غصہ سے زور دیتے ہوئے بولی۔

"یہ سب کچھ ایسے اور اسی انداز میں چنا

ہے اگر نہیں تو اپنے بھائی سے کہو وہ میری زندگی کے وہ دن وہ لمحے دہرائیں کروں جو کھٹل اس کی اک ناگوار شرارت کے لحاظ مجھے پل میں اور اس کر گئے تھے۔ وہ مارے دن میں نے سب اعتباری کی آگ میں جھلتے گزرا ہے۔ وہ مارے لمحے جو دکھ کے گہراں کو میری آنکھوں کے حوالے کر کے مجھ سے دہانے کا حق بھی لے گئے تھے۔ وہ مارے پل جب میں نے اینٹوں کی آنکھیں رو دیں اور انگوٹوں میں فقرت، شک ٹھیک اور تحفہ دیکھی بھی مجھے پانچ سال ہو گئے اس چھوٹی

حلاوت کے بوجھ تلے وہ خود کو نکالتے سنوارتے اور تم کہتی ہو میں اسی اک بات کو لیے بیٹھی ہوں وہ اک بات نہیں ہے۔ شرہ شرمندگی غدا مت اور بے عزتی کا اثبات دہانے سے مجھے میری سانسوں نے ہر لمحہ اپنی پیشانی پر تپتے غم کوں کیا ہے اور میں اپنے آئینہ چہرہ کو ڈھکیں چھوڑ دیکھتے ہوئے کسی کو یہ بھی

نہ کہہ پائی تھی کہ میں کسی لحاظ اور بار سنا ہوں میرے لیے محبت بھڑکے الفاظ ہیں کوئی کتنی ہی نہ کہتے تھے میں ان کے محرم سے ہی لطم لگتی اسی وقت مجھے ان کا اثر مہاک لباس پہنا تھا تمہارے بھائی نے اور اپنے کھلے برادر اثر مساد بھی نہ تھا پھر اس شخص کو میں کیسے معاف کر دوں کیا مجھے کسی نے معاف کیا تھا۔ جبکہ میں نے گناہ بھی لگی اور وہ تو قصود رکھتی ہے۔" وہ دکھ سے کھولتے لہے میں بولی تھی۔

شرہ اسے دیکھتی رہ گئی چپ چاپ سنجیدہ۔

"شرہ جلدی سے کھانے آؤ مجھے شدید ہواک لگی ہے۔" آدین باہر سے ہی بول آ رہا تھا۔

"تم تو بیوقوف اور کدھ بھی ہو" شرہ نے اسے دیکھ کر ٹوکا۔

"بشرہ میرے انتظار میں کتا میں نے بھی ہوئی میں چلتی ہوں تم آجانا" وہ کہتی ہوئی مڑی تو لہراتا ہوا آسانی آجمل اندر داخل ہوتے آدین

کے چہرے پر سے ہوتا ہوا گزر گیا وہ وہیں کھڑا اس کی خوشبو کو سانسوں میں اور تار تار بانیے جانے بغیر کہ وہ اس کے حلق کی راہ لے رہی ہے۔

لکھی جاتی راتوں کے
تھا موسم بھٹلی میں
محبت کی پھیلی پھیلی
پیشانی کا بدن دکھ
اپنی قبولیت کا کھل دکھ

"یہ جانتے کے باوجود کہ اس شخص کا تذکرہ میرے لیے کس قدر تکلیف دہ ہے۔ کیوں بار بار مجھے اسی کے حوالے ملتے ہیں آخر یہ ایک شخص میری زندگی سے کھل کیوں نہیں جاتا۔ شب سیاہ کی طویل اور خوفناک سیاہی کے تند میری زندگی کے شب و روز پر چھایا ہوا کیوں ہے۔"

طویل راتیں بھی باور ختم ہو جاتی ہیں مگر تم کیوں ختم نہیں ہوتا۔ اور آسان ختم ہو جاتا ہے پھر بھی جیسے چاہتا ہے جیسے میں جیسے جانی ہوں۔ اپنے خواب، خواہشات اور کو اپنے ساتھ مرنے چاہتے دیکھ کر بھی۔ بعض لوگوں پر موت بھی آسان ہوتی ہے شہید ہو گئی نہیں سہیاں ہوتی۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بھلائی کے امیدوار ہوں ان بھائی کے حق ہوں اور برائی میں آجائے زندگی کے راستوں کو خوش امید کی روشنیوں سے جگمگا جاتیں اور ان روشنیوں کو نا امید کی اندھیرا نگل جائے۔ تو خواب کیسے راگ خواب بنے ہی نہیں دیتی بلکہ امیدوں آرزوؤں کو دیران کر دیتی ہے اور یہ دیرانی احساس و شعور کو پاگل کر دیتی ہے انسان محلوں میں دوستوں کے ہاتھوں خود کو گمراہ بناتا ہے حوصلہ ٹوٹ جائے تو جیسا نہیں جانتا ہوں میرے بھی حوصلے ٹوٹ گئے تھے۔" میرا کئی پلٹیں چلی گئیں۔

"اور یہ حوصلے بداحادی کے اس چاق نے توڑے تھے جو تم نے میرے پیچھے کے چہرے پر لگا

دیا تھا اور میں بداحادی دے لے اعتباری کے اس چاق کو تار تار جتنے دیکھتی رہی کہ تم نے میرے حق میں کوئی راستہ یا نور پھیرا اسی نہ تھا جس نے اعتباری کو اعتباری کا لباس پہنا ہے خود آدین کی منزلوں سے گزری یہ وہی لمحے جتنے ہیں جنہوں نے مجھے درد کے موسم جھلتے اور بانٹوں سے جھکے دیکھا ہے۔" وہ کہتی آنکھیں بند کر گئی۔

"اس درد کو میں جان سکتی ہوں صرف میں آدین علی کہ میں نے یہ درد اپنی ہر سانس پہ اپنے اندر سنگ بنا لیا ہے اس درد کو تم نے بخشا تھا آدین یہ درد مجھے تم نے سونپا تھا اس وقت جب میرے مسکراہٹوں، رنگوں، ہوشوں اور خوابوں سے آشنا ہونے کے دن تھے۔ میری کھینچی سوچ کے وہ زاویے جو زندگی کو صرف اک خوش کن احساس کچھ رہے تھے۔ سترہات کا بوجھ دے دیا اور میں خود کو کیسے جھڑپائی اپنے کھڑے ہونے کو پاؤں پھر رات کن باتوں سے بٹایا یہ بھلا ہونے والی بات ہے۔ یہ سب بھولنے والا نہیں ہے اور جب مجھے یہ آدین ہی نہیں بھولیں تو تم کیسے بھول سکتے ہو آدین علی تم جو اک قاش فقرت سنگ راہ کی صورت میرے راستوں پر کھڑے ہو اور میرے پاؤں کی دھن پھر سے بننے لگی ہے اپنے سڑکی ٹھیکوں کو سوچ کر کھل کر۔"

پھر میں نہیں جیسے معاف کروں معاف کرنا کیا آسان ہے سب کے لیے تمہاری جیسی اہم ہے مگر میرے لیے صرف میرے دو ماہ و سال اہم ہیں جو میں نے اک ناکرہ جرم کی طمانی کے طور پر خود کو آگ سے گزرتے ہوئے طے کئے۔ ان لمحوں کی پیش اب بھی میرے موجود سے آج دیتی ہے اور اس آج میں تم بھی سنگو کے اسی بے بسی اور خاموشی سے جیسے مجھے لگتا تھا۔ میرا ہر درد جب ملے گا جب تم درد سے گزر دو گے۔ میرے سکون کا پتا نہ میرے لگا جب اضطراب تمہاری آنکھوں کو پاتھوں کے حوالے کر دے گا۔" گہری رات کے

سیاہ سنائے کو دیکھتے غم نگاہوں سے وہ سوچتی تھی
نیر اور سرفروشی سے بے نیاز۔

جودل پر تھرپے وہ جرم صاف کو کرے!
وہ رسوائیاں کس بولی تیری صاف کرے!
سایا کر کے تلوار کا سنا دیا!
راتے سے خاک کی اب اختلاف کون کرے!
ٹوٹے چدار کے زخمی کر لہو کون کرے! انگلیاں
دریدہ بدن پر سچا س کا عکاس کون کرے
☆ ☆ ☆

”میرا بیٹا تم تو لیت ہی ہو نوروشی جاؤ گی
ناں۔“

بڑی اسی اسے بگن میں آتے دیکھ کر بولیں۔
”آج مجھے جانا نہیں ہے پرسوں ایک بہت
اہم ٹیٹ ہے میں گھر وہ کر اس کی تیاری
کر دو گی۔“ وہ فرج سے ٹھٹھے پانی کی بوتل
نکالتے ہوئے بولی۔

”تو پھر ایسا کرو آؤ میں کے لیے چائے جاؤ
اسے کسی کام سے جانا ہے۔“ وہ کوئی بھانہ بنا کے
وہاں سے نکلے والی تھی کہ آؤ میں وہیں چلا آیا۔
”تم چھو آؤ میں یہ سوئی والا پراٹھا کھاؤ
گرم گرم میرا سے کھا ہے یہ تمہیں چائے جاؤ
گی۔“ بڑی اسی اسے بھی ہوئی باہر نکلیں اور وہ
جزیر ہوئی ساس پین میں چائے کے لیے پانی
ڈالتے لگی۔

”تمہیں ابھی طرح معلوم ہے میری عادت
کا کہ میں پانی والی چائے نہیں پیتا۔“ اس کے
مصروف انداز کو دیکھتے ہوئے وہ ناگوار سے
بولی۔

”مجھے تمہاری عادتوں کا باخبر نہ معلوم نہیں
اتنے غرے کرنے ہیں تو خود بناؤ۔“ وہ بے رخی
سے کہہ کر چلے گئے کہ سانس سے بھی۔
”آئی روڈ کیوں ہو رہی ہو“ پہلے تو تم ویسے
تھی۔“ وہ کہا تھا۔

”تمہیں میرے حراج کی کتنی پانری سے کوئی

تعلق نہیں ہوتا چاہیے۔“ وہ کھولتے پانی میں پتی
ڈالتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولی۔

”تعلق کیوں نہیں ہوتا چاہیے تمہارا ایک
مضبوط رشتہ ہے ہم کزنز ہیں۔“ وہ ہلکے ہلکے انداز
میں بولی۔

”تمہیں اس رشتے کے خالے سے کوئی
عرض نہیں رہتی چاہے کیونکہ میں صرف ان
رشتوں کو مانتی ہوں جو میرے سگے اور خونی رشتے
ہیں۔ یہ آپسی تعلق دواوی سے میرا کوئی ٹک
نہیں۔“ وہ بے رخی سے بولی۔

”link“ لگانے سے بچتے ہیں۔“ وہ اپنی
خوش فضا آنکھوں کو جھنجھل دیتے ہوئے بولی۔

”مجھے ایسے تعلقات بنانے کی کوئی ضرورت
نہیں۔“ اس کا انداز خشک تھا۔

”مگر زندگی کو ایسے تعلق اور رشتوں کی بہت
ضرورت ہے۔“ وہ زور دے کر بولی۔

”تم اپنے کام سے کام نہ لگو تمہیں میرے
زندگی کے تعلق پر بیان ہونے کی ضرورت ہے
آئندہ مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے کی اور
مجھے بلانے یا مجھ سے گفتگو کرنے کی کوشش مت کرنا
مجھے تم سے نفرت ہے۔“ چائے کا کپ اس کے
سامنے رکھ کر وہ بولی نکلیں تھی۔

اور آؤ میں علی بالکل چپ چاپ میز کی چکی
سٹاپ روکے کپ پر نظر میں نہانے اس کے قدموں
کی دھڑکیوں کی آہوں کو شمار کرتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

”کیا کر رہی ہو۔“ سدرہ نے پیچھے سے آکر
اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ رکھے تھے اور وہ آنکھیں
موندے ہوئی تھی۔

”خواب دیکھ رہی ہوں۔“

”کیسے خواب۔“ وہ اس کبیرا پر بھیجی۔

”کھابی چمکتی دھوپ جیسے خواب گھم کے
سنہری خوشوں جیسے سیکھے خواب سادوں کی بے تحاش
اور اچانک گھر کے آنے والی مست بارش جیسے

خواب بہار کی خوشبو بھری ساعتوں جیسے رنگین
خواب۔“ وہ بہت مست انداز میں بولی۔

”ہاں تم ایسے خوابوں کا کوئی حدود درج نہ تو
کرتا کہ ہم ان کی تفسیر کا اسباب کر سکیں۔“

”بڑے عجیبان سے آفس میں ساڑھی پہن
کے ٹیبل ٹینک کی ٹنگ ٹنگ کر کے جیسے صاف سحرے
فرش پر سو رہا انداز میں چلتی بڑس دوسرا جوتا انداز
اور کشادہ سے ٹیبل پر رکھی فانگوں کے پلندے پر
سائن کر لیکر ایک کی منگوری دے رہی ہو۔“

”تم اور بڑس دوسرا مجھے کا لیکر تو تم سے
ٹوٹ نہیں کیا جاتا بڑس کلاسز کیسے پڑو گی، بس پر
روٹی پکانا سیکھ لو تو بہت کا سامانی ہے۔“ نعمان اس
کی بات پر ہنستا ہوا بولا۔

”تم خاموش رہو میٹر مل طوطے تم مرد لوگ
کسی عورت کو ترقی کرتا کیسے دیکھ سکتے ہو۔ تم تو یہی
چاہے ہو کہ عورت بس چلے گی اور ریں ریں
کرتے بچوں میں کھنسی ایسے حقوق سے بے خبر
ہے بس حقوق کی رہے اور تم لوگ جھٹک و محنت میں
جیسے خان سے پھرتے رہو۔ دیکھ لینا وہ دن دور
نہیں جب میں ایک کامیاب بڑس دوسرا ہوں گی
اور تم جیسے مرد ذرا ذرا سے کام کے لیے ہاتھ
باندھے میرے سامنے کھڑے جھڑکیاں کھایا کرو
گے۔“ وہ گردن اٹھا کر بولی۔

”بس بس آنکھیں کھول دو ابھی تم زمین پہ
کھڑی ہو اور پاؤں میں جوتے بھی نہیں پہلے جوتی
کا بندہ دست تو کر لو پھر آفس میں ٹنگ ٹنگ کر کے
جانے کے خواب بھی دیکھ لینا وہ اس کے بال بچپنے
ہوئے وہ بولا تو اسے ابھی خاصی سب چھڑ گئی۔

”تم کہتے انسان وہ نہیں کرتے شرم تو نہیں
آتی۔“

”جب تمہیں دن ڈیہاڑے یہ آؤ ہے اور
چھوٹے خواب دیکھتے شرم نہیں آتی تو باقی سب
”وہ پھر سے اس کے سر پر چھت لگا تا بولا۔

وہ ناؤ کھا کے اٹھی تھی کہ نعمان چلا گیا لگتا

یہ جاوہ چاہ۔

”وہ بے مشرہ تم ٹھیک کہتی ہو ہم عورتوں کی
بھی کیا زندگی ہے سچ سچ اٹھو اور نوکریوں کی طرح
کاموں میں جت برتن کپڑے دھونا استری کرنا
بچے سنبھالنا آئے گئے کو کھانا سکون تو جیسے زندگی
سے ناپسند ہو جاتا ہے اتنا کر کے بھی جب ذرا سی
بات یہ سب حساب کتاب چکا ہو جائے تو دل جیسے
سے چرل ہو جاتا ہے۔“ بائیں بھائی اس کے
چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

”تو اور کیا مردوں کی تو عیش ہیں آرام سے
اٹھے پر بس شدہ کپڑے پہنے اچھا کھایا پیا اور
ملازمت پر چلے گئے وہاں سے آکے آرام سے
کھابی کے چار گڑوی کی سنا کے سکون سے لیٹے
زندگی تو یہ ہے۔“ سدرہ نے کہا۔

”خیر ابھی ایسا بھی نہیں مرد بھی بہت مشقت
کرتے ہیں۔ کھانا اور مرد و گرم ٹیبلوں کے ساتھ
کام کی سختیاں جیلنا یہ سب اتنا آسان تو نہیں ہم
لوگ تو گھر بیٹھے باتیں کر رہی ہیں وہ باہر قسم قسم کے
لوگوں اور رویوں کو دیکھتے ہیں یہ ابھی کا کام
ہے۔“ سدرہ نے ذکاوت سے اعتراض اٹھایا۔

”اور آج کا یہ ذہین کشش من شرو نے
جیت لیا ہے اسی خوشی میں یہ سونے کا تاج ان کے
سر پر رکھا جا رہا ہے۔“ نعمان ایک بار پھر نمودار ہوا
خالی تریوز کے چھلکا اس کے سر پر دکھ دیا اور وہ
تیوں بس بس گھر رہی ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

میرا اور سدرہ پوچھ رہی جانے کے لیے ناشتہ
کر کے تیار کھڑی تھیں مگر ڈرائیو کا کوئی پتا نہ تھا۔
”اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ مجھ ڈرائیو تک
لیکھنے دیں بندہ انکی دیر سو رہی یوں مشکل کا شکار
تو نہ ہو۔ اب یہاں کھڑے پاگلوں کی طرح کسی
مددگار کی راہ دیکھتے ہیں۔“ میرا بھی کو دیکھتے ہوئے
کہنے لگی۔

”کوئی پاگل نہیں ہو تمیں تم ابھی کوئی چھوڑ

آئے گا تم لوگوں کو۔" می نے کہا۔
 "وہ تو چھوڑ آئے گا مگر تب تک ہمارا پہلا
 ہی لیٹرکس ہو جائے گا اور پھر وہ ڈرامہ ہو گیا کہاں
 اس وقت اسے علم نہیں کہ ہمیں یونیورسٹی جانا
 ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"بھئی چھٹی نے کے کیا ہے وہ بیمار اس کی
 جی پیار تھی گاؤں میں وہ اس کے بہتر علاج کے
 لیے اسے شہر لانے کے لیے گیا ہے۔" می آرام
 سے بولیں۔

"تو جب آپ چھٹی دے رہی تھیں آپ کو یہ
 نہیں پتا تھا کہ ہمیں کتنا مسئلہ ہوتا ہے۔" اسے خوا
 خواہناؤ آئے جارہا تھا۔

"تم چھوڑ دو اس میں دیکھتی ہوں اگر فہم بھائی
 اٹھ گئے ہوں تو وہ ہمیں آفس چھوڑ آئیں گے۔"
 سدورہ کتابیں ساتھ بٹھائی یہ دیکھ کر باہر نکلی۔

"چلو تم دونوں میں نے آؤں سے کہا ہے
 وہ آفس جاتے ہوئے تم لوگوں کو یونیورسٹی ڈراپ
 کر دے گا۔" بڑی ای نے لاؤنج میں آتے
 ہوئے کہا تو اس کا موڑ پہلے سے زیادہ خراب ہو گیا
 مگر وہ ظاہر کئے بغیر ساٹھ سے انداز میں بس
 اٹھیں دیکھ کر رہ گئی۔

"Coming Girls" موبائل جیب
 میں دیکھتے ہوئے بلیک مگر شرت اور بلیک چنٹ
 میں لمبوں وہ گاڑ پورج سے نکلتے لگا۔ میرا نے
 بہت اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھا پھر
 کتابیں سنبھالے قدم اٹھائی پچھلا دروازہ کھول
 کے اندر بیٹھ گئی۔

"ایکڑ امر کب ہو رہے ہیں تم لوگوں
 کے۔" وہ بلیک مرد سے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔
 "سر پر ہی سمجھیں بس فائل سمسٹر کی
 تیاریاں ہی کر رہے ہیں۔" جواب سدورہ نے دیا
 تھا۔

"تیاری کیسی ہے تم اکیڈمی وغیرہ جاتی ہو کہ
 نہیں۔"

"اکیڈمی جاتے ہیں اور تیاری بہت اچھی
 ہے سیکڑ سمسٹر میں ہماری فرسٹ پوزیشن آئی تھی
 ارادہ ہے کہ یونیورسٹی کے ٹاپ پوزیشن ہولڈرز
 سٹوڈنٹ میں اپنا نام کھسوا لیں دیکھیں راوی کیا
 لکھتا ہے۔" سدورہ ہنستے ہوئے بولی۔
 "جواب وغیرہ کر دی یا مسز کی ڈگری کو
 چھوڑے روٹی کی غور کر دو گی۔"
 "وقت پر منحصر ہے۔ فی الحال کوئی آپیز
 یا نہیں۔"

سدورہ کے کہنے پر آؤں نے لمحہ بھر خاموش
 ساٹھ تاثرات لیے تھی میرا کاچرا دیکھا تھا پھر کھرا
 سانس لے کر توجہ ڈراؤنگ کی طرف یہ سوال کیے
 جا رہا تھا مگر وہ کوئی تاثر دے یا دیکھتی ظاہر کیے
 بغیر ٹھس سے انداز میں بٹھئی باہر دیکھ رہی تھی۔
 "چھٹی کے نام میں لینے آ جاؤں گا مجھے مس
 کال دے دے گا۔"

انہیں اتار دے ہوئے وہ دھلاؤ میرا دیکھتا ہے
 تھوڑی سی یونیورسٹی کا گینے کر اس گری اور سدورہ
 سر ہلا کے اس کے پیچھے چلی گئی انہیں جاتے دیکھتے
 ہوئے وہ گاڑی ریورس کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆
 وہ کھانا کھانے کے بعد فریش ہونے کے
 لیے موہتی کے ساتھ ڈرائی فردنٹ سے لطف
 اندوز ہونے کے ساتھ کیرم یورڈ کھیل رہے تھے۔
 سب کزن ہال کرے میں اکٹھے تھے باؤ ہو کے شور
 لے رہے تھے چایا ہوا تھا۔ جب ملازمہ گلشن نے اندر
 جھانک کر بتایا۔

"میرا بی بی آپ کو چھوٹی بیگم صاحبہ اپنے
 کمرے میں بلا رہی ہیں۔"

"تم لوگ میرے آتے تک گوشت نہ ہلانا
 میں می کی بات سن کر آتی ہوں۔"

انہیں تاکید کر کے وہ می کے کمرے کی طرف
 آئی تو وہاں سے بڑی ای بڑے ابو اور اس ڈیڈی
 گل رہے تھے۔ اسے حیرت اس لیے نہ ہوئی کہ

پہلے بھی یہ سب لوگ اکثر یونیورسٹی بیٹھا کرتے
 تھے اور سرین جی جی ان لوگوں میں شامل ہوتی
 تھیں بھی بچوں میں ان کی بیٹھک پارٹی تبدیل
 ہوتی رہی تھی۔

"می آپ نے مجھے بلایا تھا۔" میرا اندر
 داخل ہوئی۔

"ہاں ادھر آ جاؤ میرے پاس۔" انہوں
 نے اسے بلے پر بلالیا۔

"کلی سید یہ اور ارشاد آرہے ہیں۔ تمہاری
 چھوٹی بھی ہوئی تم یونیورسٹی سے چھٹی کر لینا۔"

"می وہ لوگ مہمان سے آئیں گے آتے
 آتے دو پہر تو ہو جائے گی اور جب تک تو میں وہاں

بھی یونیورسٹی سے آ جاؤ گی۔"
 "نہیں تمہارا چھٹی کرنا بہتر ہے سدورہ اور

شرہ بھی مگر ہو گی تمہارا اکیلے جانا ٹھیک نہیں۔" وہ
 سنجیدگی سے بولیں۔

اور کے چھٹی تو میں کروں گی لیکن صبح کیا
 کوئی خاص بات ہے۔" وہ حیران ہوئی۔

"وہ شرہ کے لیے پوزل لارے ہیں تمہاری
 چھوٹی اور شد سے چھوٹے اظہار کا اور ان کی چھوٹا سا

فنکشن کرنے کا ارادہ ہے ہوں گے تو بس گھر کے
 لوگ مگر چونکہ ایک دو اور لڑکیوں کو پابند کرنے کا

خیال ہے تو گھر پر تقریب میں باقاعدہ رسم ہو گی۔
 وہ خاموشی انداز میں بولی تھی۔

"ادھر ابھی خبر ہے اور سر پر انورنگ بھی اور
 شرہ تو ویسے بھی اظہار سے بہت متاثر ہے۔" جو

چونک کر بول چلا۔
 "ویسے می دوسری لڑکیاں کون سی ہیں؟" وہ

مسکراتے ہوئے بولی۔
 "ایک تو تمہاری چھوٹی زبیرہ ہے جسے

سرین بھائی اپنے راجیل کے لیے پریوز کر رہی گی
 اور دوسری تم ہو۔" می کچھ لمحوں کی خاموشی کے

بعد اسے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔
 "میں اس نے بے حد تحیر سے اگلی اپنی سہ

کی تھی۔"

"ہاں تمہارا پوزل بہت دیر سے اؤ کے تھا
 جس آؤں کا انتظار تھا کہ وہ آ جائے تو باقاعدہ
 اعلان ہو جائے۔" می کا انداز بہت سرسری سا

تھا۔
 "مگر می یوں اپنا تک مجھ سے پوچھے بنا

مجھے بتائے بغیر۔" وہ دھک سے بولی۔
 "لڑکا دیکھا بھلا اچھا لکھا ہوا ہے اپنا پوزل

ہے پھر گھر کی بات ہے اس میں پوچھنے بتانے کی
 ضرورت نہ تھی۔" وہ آرام سے بولیں۔

"گھر کی بات کیا مطلب۔" میں سمجھی
 نہیں۔ "وہ اچھے کے بولی۔

"آؤں کے ساتھ تمہاری نسبت طے
 کر رہے ہیں تمہارے فائل سمسٹر ہوتے ہی

شادی کر دی جائے گی۔" می جیتے سکون سے کہہ
 رہی تھیں وہ اسی شدت سے تڑپ کر بولی تھی۔

"پتا آؤں کے ساتھ؟"
 "ہم جانتے ہیں تمہیں اعتراض نہیں ہو گا۔

آؤں میں کوئی خامی نہیں ہے اس کی وجہ سے اسے
 رد کیا جائے۔"

"دھمی آپ کو پتا ہے کہ اس نے کیا کیا تھا
 میرے ساتھ کیسے مجھے تماشہ بنا دیا تھا سارے

خاندان میں میرا کیرم میرا مستقبل میری اسٹڈیز
 سب کچھ اس کی وجہ سے داؤ پر لگ گیا تھا۔ نفرت

سے مجھے اس کہینہ نفرت انسان سے اور آپ
 زندگی بھر کے لیے مجھے اس کے حوالے کر رہی

ہیں۔ میں بیٹی ہوں آپ کی اور آپ میرے
 ساتھ۔" وہ دم کی شدت سے رو پڑی تھی۔

"وہ بہت پہلے کی بات ہے اس وقت تم بچی
 تھیں جو بوہرائی بات ہے ویسے بھی کھلی سراسر

تمہاری تھی ہم تو حیران ہیں کہ وہ کس قدر اعلا
 ظرف لڑکا ہے تمہارے متعلق سب کچھ جانتے

ہوئے بھی اس نسبت پر خوش ہے۔"
 میں عقیدت و شرمندگی کے طے جے

جدا بات سمیت بولی تھیں۔

”جب ماں ہو کر آپ ہی انصاف نہیں کر رہیں تو وہ تو بھر بھر ہے۔ اس کی آواز بھرا کی شدت کرب سے۔ مگر وہ حق سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔“

”لیکن آپ یہ جان لیں کہ آپ لوگوں کو میں خود پر تجربے کرنے نہیں دوں گی۔ کیونکہ مجھے بھی اپنی مرضی سے جینے کا اتنا ہی حق ہے جتنا آؤن کو۔“

”تم پریشان مت ہو کوئی برا نہیں کر رہے ہم تمہارے ساتھ تم اچھی زندگی گزارو گی آؤن کے ساتھ۔“

”اچھی زندگی آپ جانتی ہیں وہ اچھی زندگی کہنے ہوگی؟“ اس کا سوال اس سے گزرو گی اور وہ کیسا سلوک کرے گا میرے ساتھ؟ اس کی آواز پھٹ گئی۔

”آؤن بہت Qualified اور Genius شخص ہے ایسے لڑکا جو ایک شاندار بیک گراؤڈ اور مضبوط پوزیشن رکھتا ہو پر سناٹا دینا بھی پرکشش ہو تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو گی تو اور کیس کے ساتھ ہو گی۔“

”آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ایسے جیسے کسی قابل شخص کے لیے مس ٹھ ہوں اس کے لائق نہیں اس کے ساتھ نہیں چلی سکتی یہی سوچ کر مجھے بخش دیں۔“ وہ پھر بیک اٹھی تھی۔ سادہ بیگم نے پریشانی سے اپنی بیٹی کو دیکھا تھا۔

”سب راضی ہیں۔ میں کیسے بنا دجے کے ہوں؟ تم سمجھ نہیں رہیں کیوں مجھے مشکلات کا شکار کر رہی ہو۔“

”مشکلات کا شکار تو آپ کر رہے ہیں وہ شخص کر رہا ہے جیسے اس نے مجھے چند سال پہلے کیا تھا اور میں یہ بتا رہی اب میں وہ سولہ سترہ سالہ دیو اور گزرو گی لڑکی نہیں رہی جو اپنے خلاف سب کچھ غلط ہونے دیکھ کر بھی ذرے سے خاموش رہے۔ مجھے

اپنے حق کے لیے بولنا اور لڑنا آ گیا ہے۔“
”میرا یہ حقدار یا تم جھوڑا اپنے کمرے میں جاؤ۔“ ساجد و بیگم حق سے بولیں۔ وہ چند لمبے جھکی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں پھر جھکے سے اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆
”آئی آپ دیکھیں ذرا سب کیا کر رہے ہیں میرے ساتھ معاشی ہے سب طے ہو گیا صرف آؤن کے کہنے پر اور مجھے کسی شمار میں نہیں رکھا گیا۔“ اپنے سکل فون پر وہ سعدیہ سے شکوہ کر رہی تھی۔

”اور یہ می کو دیکھیں اوپر سے کتنی براڈ ہائینڈ بنتی ہیں اور شادی جیسے اہم معاملے میں مجھے پوچھنا یا بتانا تک گوارہ کیا۔“ وہ بھرائی آواز میں بولی۔
”کیا مطلب تم سے پوچھا نہیں گئی تو کہہ رہی تھیں تم سے پوچھ لیا ہے اور شہبازی رضا مندی سے رشتہ طے ہو رہا ہے۔“ سعدیہ پر حیرت سے بولی۔

”صحبت سے آئی مجھے سے کس سے پوچھا گیا تھا سب جو دلی کی مرضی سے ہو رہا ہے۔“
”حیرت ہے تم از کم می کو تو تمہاری رائے لینا چاہتے تھی۔“

”رائے تو صرف آؤن کی اہم ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے بنا کسی تصور کے مجھے ذلت کے جوابے لکر دیا تھا پھر بھی یہ سب اور آپ تو سعدیہ آپنی میری سچائی اور بے گناہی کی سب سے بڑی گواہ ہیں۔ آج مجھے آپ کی گواہی اور ساتھ چاہئے۔ میں ہرگز اس شخص کے ساتھ شادی کے لیے رضا مند نہیں۔“ وہ بیک اٹھی۔

تم Tens مت ہو میرا جھول رکھو میں کل آرہی ہوں ہاں سب ٹھیک کر لوں گی۔ کوئی کچھ بھی کہے میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ ویسے ہی جیسے پانچ سال پہلے تم نے میرا ساتھ دیا تھا۔“ سعدیہ اسے یقین دلاتے ہوئے بولی تھیں۔

”آئی مجھے بخور میں پکڑانے کے لیے جھا

مت جھوڑے گا۔ میں پہلے اس بخور سے بہت مشکل سے نکلی ہوں اور میری دلی پاور اتنی نہیں ہے کہ بار بار خود کو دکھوں کی بجائی میں تجھے سکتے دیکھوں اور کہاں ضبط کا مظاہرہ کر دوں۔“ وہ آنسوؤں سے بھرے کچے میں بولی۔

”Be brave تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔ اپنے حواس کو قابو رکھو جو صدمت دو میرا یقین کر دو میں گئی کو تمہارے ساتھ غلط کرنے نہیں دوں گی اور اب اپنے ذہن سے تمام فکرات کو جھٹک دو خود کو پرسکون رکھو۔ آرام سے سو جاؤ۔ اس یقین کے ساتھ کہ تمہارے ساتھ اچھا ہوگا زندگی میں بہت سی خوشیاں تمہارے حصے کی ہیں تو تمہیں ضرور ملیں گی۔“ سعدیہ دیرین سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

”Thanks آئی آپ کے کچے الفاظ نے مجھے ایک حوصلہ عطا دیا ہے۔“
”میری جوشیلے کو لے کر خود کو معاف کرنا اور مضبوط رہ کر اور کچھ سنا بھی کر کے تمہیں نہیں ہو تمہارے ساتھ کوئی برا نہیں کر سکتا کیونکہ تم خود بہت اچھی ہو اور اچھائی کو دینا دے دیتی ہو اور کے ایجنڈ گنہ گار نہیں۔“ انہوں نے الوداعی سلام کے ساتھ رابطہ منقطع کیا اور وہ کچھ دیر سوناٹ کی آف اسکرین کو دیکھتی رہی پھر نگاہیں اپنے کمرے کی مشرقی دیوار کے درمیان میں لگی گلاس وینڈو پر جمادیں۔

اس کے کمرے کے بالکل سامنے آؤن کا کمرہ تھا کھلی کھڑکی سے اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا وہ اس سے آ کر فاصلے بیٹھا تھا بلکہ جھو کے ساتھ لیمن کھڑکی کی شرٹ پہنے وہ بہت چنٹ سم لگ رہا تھا۔ پڑھتے ہوئے چونک کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا پھر بھٹکی ہوئی نگاہیں کھڑکی کے پار بھیجی میرا یہ گئی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ بے اختیار اٹھ کر اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔

”اس کی سر تو دیکھیں چھوٹی سی اچھی دودھ کے دانٹ تو نے کس اس کا یہ حال ہے تو آگے تو ماشا اللہ۔“ آؤن کا استہزائیہ لہجہ گونج رہا تھا۔
”بس وہ خط میرے دوستوں نے پڑھا اور مجھے جھجھکا تو یقین جانیں کہ میں سوچ رہا تھا زمین بیٹے اور میں اسے میں ساجاؤں۔“ وہ بولتا جا رہا تھا اور می اسے کھا جانے والی نگاہوں سے میں گھورتی جا رہی تھیں۔

”ذرا پڑھیں تو ایسی باتیں تو یہ تو۔۔۔۔۔۔“
وہ خط پڑھنے میں مصروف تھا اور می اس کی دھناتی تھیں۔

میرا کی نگاہوں کے سامنے دھند چھانے لگی سر جھک رہا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر دیے اپنے خوفناک ماضی سے بچنا چھڑانے کی سعی کرنے لگی مگر یادیں جس کی گھسی آندھی طوفان کی مانند دو کے تو کیلے شتر پھوٹتے ہوئے اسے خار دار ماضی کے حوالے کرنے کے درپے تھیں۔ اس نے اپنے دیکھ کر سوچا تھا ہے ہوئے ایک بار پھر چہرہ ہو کر دیکھا وہ اچھی تک وہیں کھڑا ہے دیکھ رہا تھا بائیں چپکے گئے۔

میرا کی پگھلیوں سے کئی آنسو نکل کر رخساروں پر پھسل گئے اور ماضی کا سارا کرب ان آنسوؤں کے ساتھ ایک بار پھر اس کی رگوں میں پھلتا چلا گیا۔

کرا داتاں نکلوں؟
کتنی برہواؤں کی
کہ ہاتھوں میں اٹھو
کہ انگلیاں ہیں کٹی ہوئی
تذکرہ کروں کیا؟
ان جاں توڑنی ساتوں کا
جو آتی توڑنی ساتوں کا
کہ نہیں دماغ کی ہیں پھٹی ہوئی
خوابوں پر تبصرہ کوئی؟
ہو جی تو بھلا کیا جواب

کیا اندرونی حلقہ کار کے ہاتھوں
سائنس سائنس سے تھکا ہوا
ہر تار سے دل کا پھینکا ہوا
وہ موسم کی دلکشی جو
قسمت میں اپنی ہی نہیں
کہ ہر قدم تھا غبارِ راہ میں اٹا ہوا
وہ لہجہ زبان و بیان کا
گرفت میں نہ اس کا
کہ سوچ بھی گئی زاویوں میں ہی ہوئی
کہانی سنائیں کیا؟
کہ ورق ورق ہے پھلا ہوا
وہ جو مرکز نگاہ تھا
تھارا ستوں سے پھلا ہوا

☆.....☆.....☆

دودھ جیسی سفیدی میں ہلکی گلابی زرا نہیں
لیے چمکتی رنگت اور جیسے نتوش والی گول سون میں
جو بے لیا پیک ٹھری بہت خوبصورت فرائک اور نیم
رنگ سینٹرل پہنے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آتی تھی
اسے عباس اور ساجدہ اعجاز نے بہت محبت سے
اپنے پاس بلایا تھا۔
”میری شہزادی بیٹی بہت پیاری لگ رہی
ہے شہزادی کو تیار کس نے کیا ہے۔“ اعجاز عباس
اسے گود میں اٹھاتے ہوئے بولے تھے۔
”سعدیہ بچو نے۔“ پانچ سالہ بیٹی بہت
آہستگی سے لڑتی تھی۔
”اب یہ کیسے پتا چلے کہ شہزادی نے جانا
کہاں ہے۔“
”میکڈونلڈ۔“ وہ فوراً بولی۔
”نہیں چھوٹی کی آپ Zoo چلیں میں
بھی ساتھ جاؤں گا۔“
تو سالہ آؤنٹین علی فوراً آگے بڑھ کے بولا تو
اعجاز عباس اور ساجدہ ہنس دیں۔
”ضرور بیٹا ہم Zoo چلیں گے بھلا اپنے
بیٹے کا کہا ہم کیسے مال سکتے ہیں۔“

”نہیں Zoo اتنی دفعہ گئے ہیں۔“
”میکڈونلڈ چلتا ہے۔“ بھی ہراسہ پیر پٹے۔
”میکڈونلڈ آگے دیک ایڈ پ بھی اب جو
تھارا بیٹا چاہے گا وہ ہو گا۔“

ساجدہ آؤنٹین کو پیار کرتے ہوئے بولی اور
آؤنٹین غرور سے سرگرمی سے دیکھتے ہوئے۔
اور یہ پہلا لمحہ تھا جس نے اس کے دل کو تھما
تھا وہ مصیبت سی بیٹی جو ہمیشہ اپنے والدین کو ڈرین
پر پیار اور شفقت لٹاتے دیکھ کر چپ ہو جاتی تھی۔
اس کا دل بھی سوچتا تھا ”یہ آؤنٹین علی ہمیشہ
میری جگہ پر بیٹھ کے میرے جیسے کا پیار بچپن لین
سے یہ ایسا کیوں کرتا ہے اور چھوٹی کی اسے گود میں
بیٹھا کہ پیار کرتی ہیں وہ آجائے فوراً مجھے پرے
کر کے اس ناشتہ کروانا شروع کر دیتی ہیں اس
کے خرمے بھی آؤنٹین والا برا تھا بھی مونی والا برا تھا
بھی ایک میکڈونلڈ بھی ساجدہ جیسی تھی اور کبھی سب
پورے گھر میں وہ چھوٹی بیٹی دیکھ جاتی۔“
ساجدہ بیگم کو دھیان آ جاتا تو کہیں۔
”میرا تم کیوں ہاتھ چھوڑ بیٹھیں کھاؤ
تال۔“

”مٹی آپ کھائیں۔“ وہ لاڈ سے ٹھکتی۔
”میرا خندہ کیا کرو تم اب بیٹی نہیں رہیں
بڑی ہو چکی ہو اپنے ہاتھ سے کھایا کرو۔“ وہ
جھڑکنے والے انداز میں کہیں۔
”آؤنٹین تو مجھ سے بھی بڑا ہے اسے
کیوں کھلاتی ہیں۔“ وہ بولی
”جب رہا کرو تم بہت زبان چٹنے لگی ہے
تمہاری۔“ مٹی نے اسے پیچھڑکیر کیا تھا۔
”ساجدہ“ اعجاز عباس نے بہت دہنگ لہجے
میں گھورا تھا۔
”دیکھ نہیں رہے آپ کیسے زبان چلانے لگی
ہے۔“ وہ بولی
”یہ سب تمہاری رویے کا قصور ہے تم بیٹی کو
نظر انداز کر کے دوسرے بچوں کو اہمیت دیتی تو

اس کے ذہن میں ایسے سوالات جنم لیں گے۔ وہ
احساس کسری کا شکار ہوئی جائے گی۔
”اعجاز آپ کیا کہہ رہے ہیں اسے نظر انداز
کرتی ہیں بھلا ان تین بچوں کے علاوہ اور کیا ہے
سارا دن ان ہی کے چاؤ بچوں میں مصروف گزارتا
ہے۔“
اپنے آپ کو نظر انداز کر دیا میں نے آپ
کے لیے آپ کی بیٹیوں کے لیے۔ ایک نظر اعجاز پر
ڈالی اور بولیں۔

دل میں بیٹے کی خواہش تو ہے اب اگر یہ کی
پوری کرنے کو میں آؤنٹین پہ توجہ دیتی ہوں تو وہ
آپ کو پسند نہیں ہے۔“ وہ رونے لگی تھیں۔
اور اعجاز عباس کچھ کہہ نہ پائے تھے۔ کہ بیٹے
کی خواہش تو ان کے دل میں بھی تھی مگر یہ قدرت کا
فیصلہ تھا کہ اس نوبت سے انہیں محروم رہنا تھا۔
کیونکہ مشرہ کی پیدائش کے وقت بوجہ کمزوری
ساجدہ بیگم کو کچھ ایسی اندرونی پیچیدگی درپیش آئی
تھی کہ وہ آگے کے لیے ہال بننے سے محروم ہو گئیں
اسی محرومی کو وہ اپنے بیٹے اور اعجاز عباس کے بیٹے
آؤنٹین سے محبت کر لگے پورا کر لیں۔ اور شاد عباس
کے دادا اور بیٹی بھی تھے خیر اور نعمان پھر دیواری کا
بیٹا راجیل بھی مگر آؤنٹین پر انہیں بہت ٹوٹ ک پیار
آتا تھا کہ ایک تو وہ قد کاٹھ اور محبت کے حوالہ سے
دوسرے بچوں سے اچھا تھا پھر جیسے نتوش صاف
رنگت اور مدد و جذبات جو پڑھائی کے ساتھ کھیل
کود میں بھی سب کو مات کر دیتی تھی۔ وہ سب
کا لاڈلا تھا سوائے اپنی ماں کے جو بچوں کو کھلاؤ
سنوٹے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی آنکھ سے۔“ والے
مخادولے پر گئیں میرا تمہیں ان کا رویہ سب بچوں
کیساں تھا اپنے بچوں اپنی بچوں شرو اور سدرہ کے
ساتھ وہ سدرہ میرا اور مشرہ کو بھی پیار کرتیں اور
مٹی کیفیت سسر کی تھی وہ اپنے اٹھوتے بیٹے
راجیل کے ساتھ جیٹا تھوں کے بچوں کو بھی دیکھا
کرتیں۔

ناشتے لچ ڈنر یہ سب بچوں کی پسند کو مد نظر
رکھا جاتا اور سلسلہ یونہی چلتے چلتے بچن در پورن
بچہ ہو گئے مگر ایسی صبح صفائی سے کہ دلوں میں
فرق نہ آیا بچے سکولوں سے کالجز میں آگئے تھے۔
آپس احقان و سلوک کی فضا بہت شدت سے
پردان چڑھی تھی۔ مگر دونوں کو چھوڑ کر اور وہ تھے
میرا عباس اور آؤنٹین علی ان کے درمیان ہمیشہ ایک
نا محسوس دیوار کھڑی رہی ہر بات ہر مسئلے پر
اختلاف رائے رہتا۔ ایک دوسرے کی مخالفت کو
یہ جیسے فرض سمجھ بیٹھے تھے۔ حالانکہ اب دونوں بچے
نہ تھے۔

آؤنٹین تھوڑا سیر کا تو وہ فرسٹ ایئر کی
سٹوڈنٹ تھی۔ لیکن دونوں میں ذرا اندیشہ بھی تھا
بٹا کرتے تھے ان کی تو تو میں میں پر سحر یہ اور نیم
تو باقاعدہ سمجھانے بیٹھ جایا کرتے نعمان اور مشرہ
شرطیں لگاتے کہ یہ لڑائی کتنا حرم صدام کی یوں چال
بند کر کے گی۔

☆.....☆.....☆

”بھئی کیا زندگی ہے یہ بھی ایک بورڈل
لائف اسٹائل ایک ہی انداز سے ایک جیسے شب
وروز وہی جھاک ڈور ایک کمرے سے اٹھو
دوسرے میں ٹھس جاؤ وہاں سے اٹھو تو لان میں
لان سے نکلو کالج کوئی نیا احساس نہ تازگی کا
جھونکا یہ ڈیڑی لوگوں کو بھی کیا سوچھی سب بھائی
ایک ہی جگہ ٹھس کہ بیٹھ گئے۔ بھلا الگ الگ
شہروں میں الگ بگھوں پر رہتے حیدرآباد پر ملنے
ملنے آتے جاتے، لوگوں کی کٹی مٹی کی رشتے
داریاں ہوتی ہیں ہماری یہ عباس والا کے اندر تک
نہد دو ہیں۔“
وہ جتنا طاقہ انداز میں کہتی صوفے پر گھبرتی تو
سعدیہ ہنس پڑی۔

”میرا بی بی ان لمبی رشتے دار یوں سے
سب سے پہلے تم اکٹا تیں جب وقت بے وقت
بچن میں گئے کھانے پانے پڑے وہ بھی لے

چوڑے بیٹھو دالے پھر تم کہیں نہیں زندگی دہی اچھی ہے جو بندہ اکیلے گزارتا ہے۔

”اتنا اکیلا، اکیلا بھی نہ ہو انسان جتنے ہم ہیں۔“

”اکیلا، کیوں، ماشاء اللہ بھرا ہوا گھر ہے تم ہر بات بنا سوتے تھے جس سے نکال لیا کرو محل تو ہر وقت جیسے گھاس چرنے کی رشتی ہے۔“ می اسے گھورتے ہوئے بولی۔

”افو می آپ کو تو بس یہاں چاہئے مجھے ڈانٹنے کا اب انسان کچھ کہہ بھی نہ سکے۔“

”تمہاری زبان تو بلا وجہ کہے جاتی ہے اب کم آتی جاتی ہو تم پھر گھر سے اکیلی پھر کاٹ، پھر چچی کے ہاں سب اگلی ہو کے اس کا دماغ چاشنی ہو سیر کے یہاں پورے ٹا ہو کر پکڑ لگتی ہو روزانہ پچھو شہر سے باہر ہے وہاں کوئی اور جائے نہ جائے تم مینے دے مینے بعد وہاں بھی ہو آتی ہو۔“

”می بولیں۔“ اور جو بے وجہ بے نیکی وقت بے وقت اول جلوی جسم کی تہیوں کے گھر گھر بھرنے پکڑ ہوتے ہیں وہ کی شہر قمار میں نہیں۔“ آؤ میں نے ٹوہا گرم دوکھ کر چوٹ لگائی۔

”تم کیوں بند کرو تم سے بات نہیں کر رہی میں۔“ وہ غرائی۔

”میرا تیز سے کام لو، پورے چار سال بڑا ہے تم سے۔“ می نے گھر کا۔

”اور محل ایک سال کی بڑائی والی بھی نہیں۔“ وہ بڑبڑائی۔

”ہاں محل تو ساری جیسے تم سے ہی ادھار لی ہوئی ہے جیسے ابھی تک حج تفریق کے سوال تک حل کرنے نہ آئے میں تو یہ نہیں کچھ پاتا کہ تم ریاضی میں صفر بنا صفر ہونے کے باوجود میٹرک کلیئر کیسے کر گئیں وہ بھی پہلی بار میں۔“ وہ مسکراہٹ جاتا ہوا بولا۔

”تمہاری طرح پر جوں (بونیوں) کا استعمال کیا تھا۔“ وہ محل کر بولی۔

”اوہ اسی لیے، میں بھی کہوں تم جیسے بکری اور بکرے کی تیز تفریق کا علم نہیں وہ اخیر اور چوہ میڑی کیسے کرتی۔“ وہ اسے مزید سلگا گیا۔

”بس کرو اب تم خبردار جو تم لڑے کیا بچوں کی طرح تم لوگ ہر وقت چوہ نہیں لڑاتے رچے ہو۔“ بچی سرس بولیں۔

”یہ عادت تو آپ کی لائی، بچی کی ہے۔“ آؤ میں فوراً بولا۔

”بندو ہو گئے تم بلکہ بیہوشی اور پارسی بھی، دیکھ می ہیں آپ کا ڈلا کیسے زبان کے جوہر دکھاتا ہے اور آپ پھر مجھے تیز کے درس دیتی ہیں۔“ وہ اسے جواب دیتی ہوئی ساجدہ کی طرف مڑی۔

”آؤ میں شرم کیا کرو تم بھی کہیں ہے تمہاری اور بہوں سے من ماری نہیں کیا کرتے۔“ آؤ میں کی والدہ نے ٹوکا۔

”اللہ نے دی ہوئی ہیں مجھے نہیں اس کٹ کھٹی ملی کو میں بنانے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”ارے جاؤ تمہیں بھائی یا کون رہا ہے۔“ ہو اس قابل تم۔“ وہ استہزا پر بولی۔

”تو جس قابل ہوں وہ بتاؤ۔“ وہ لوغزان انداز میں براہین آکھ دیا کر بولا۔

”تم صرف اس مرحمت کے قابل ہو جو کسی دن میرے جوتے تمہاری کریں گے۔“

”اور وہ پاؤں تمہیں نصیب ہی نہ ہوں جو ایسے جوتے نہیں۔“

”مجھے سب نصیب ہوگا تمہیں صرف جہنم نصیب ہوگی۔“

”تمہارے منہ میں خاک کم بخت بولنے پر آگے تو بس بولتی جاؤ گی بتاؤ کہ۔“ ساجدہ نے ایک زوردار دھوکا اس کی کمر میں رسید کیا اور وہ تم آنکھیں لیے۔ اسے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

”اور اس کی گلے پر جتنی زبان آپ کو نظر نہیں آ رہی وہ تو کب سے جیسے تلاوت کر رہا

”ہے۔“ اس کے انداز میں اور الفاظ یہ صب بے طرح پھینکے۔

”ہاں اس کی بات کو یونہی کرنا ہی دیا کریں، اور میڑی بات کو چڑھایا جاتا ہے میں تو ہوں ہی احسن اور بیوقوف جس کا جوبل چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔“

”اب تم اپنی زبان سے اپنی خصوصیات بیان کر رہی ہو کوئی اور کہے تو۔“

”خشت اب تم میری بات میں مت بولا کرو۔“ اس نے غور کے آؤ میں کو دیکھا۔

”تو تم میری بات مت کیا کرو۔“ وہ مزے سے بولا۔

”تمہیں خود ہی ہر بات کو خود پر لینے کی بیماری ہے تو کوئی کیا کرے“ وہ چڑھے کے بولی۔

”پلیز سیز فائر بس کرو، کتنا بولتے ہو تم دونوں ایمان سے سرور کرنے لگے۔“ جابنے کیا کھانا ہوا ہے یہ چند فوس بولتے بیٹھا تھا کمر میں کرنا تم آؤ میں نے ہر وقت ہاؤزنگ کے کونے دیکھتے ہوئے۔“ فہیم بھائیوں ڈانٹتے ہوئے اٹھے۔ تو وہ دونوں محل سے ہو کر چپ ہو گئے۔

”سعدیہ پار ایک بات بتاؤ یہ لولیز کیسے لکھا جاتا ہے۔“ اس کی دوست تمہنے نے لوس بتاتے ہوئے اچانک پوچھا تھا۔

”I don't no“ ”میں لکھتا نہ پڑھا۔“ اس نے شانے اچکا کے۔

”کیسی لڑکی ہو تم جیسے یہ معلوم نہیں کہ لولیز کیسے لکھا جاتا ہے۔“

”مائے داد سے تمہیں ضرورت کیا پڑ گئی لولیز لکھنے کی۔“ سعدیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”ضرورت کیا یونہی پوچھ رہی ہوں بنزل ناں میں اضافہ کو اور تم ہو کہ بتاتی نہیں۔“

”مجھے معلوم ہو کچھ تو بتاؤں نہ میں لولیز لکھنے کی نوبت آئی نہ پڑھنے کی۔“

”اپنے کمرن سے اٹھو ہو تم اور تمہیں لولیز لکھنے کا پتا نہیں۔“

”اٹھو ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ لولیز لکھنے آجائیں۔ ویسے بھی ہم اس موضوع پر بات نہیں کرتے ہماری براہ راست بات چپ ہو جاتی ہے اور ہم اکثر ملتے رہتے ہیں کوئی ظالم سماج کا مسئلہ نہیں ہے ہمارے ساتھ اگر ملنے بولنے میں دشواری ہو یا ہم بہت دھواں دھار قسم کی محبت میں جھٹا ہوں تو شاید لولیز کی ضرورت ہوئی اور جب ایسا کچھ ہے ہی نہیں تو یہ محبت بھرے خطوط لکھنا چاہیے ضرور۔“

”کم آن سعدیہ تم اٹھج ہو اپنے کمرن سے پچھن سے ایک دوسرے کو جانتے ہو پھر بھی تم لوگوں کے درمیان محبت کے جراثیم ڈھیلپ انہیں ہوئے امیزنگ۔“ تمہنے جرات سے بولی۔

”اٹھج ہونے کا یہ مطلب نہیں لولیز لکھنے شروع ہو جائیں۔ ہمارے درمیان اچھی انداز اسٹیڈنگ ہے، ہر فیڈ شب ہے ہم سب کے سامنے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کی دلچسپیوں مصروفیات کے متعلق پوچھتے ہیں۔ رہا محبت کا سوال تو وہ ابھی دور ہے ہماری زندگی جب مکمل سچائی اور ایمانداری سے ایک اٹھج رشتے کو شری و قانونی طور پر منظور ہے۔ کا درس دے گی۔ تو محبت کے جذبات ڈھیلپ ہو سکتے ہیں کہ محبت انسان ایک دوسرے کے قریب رہ کر عادتوں کو سمجھ کر ردیوں کو جان کر ہی کرتا ہے۔“ سعدیہ سٹیڈ کی سے بولتی تھی۔

”Very Good“ تم واقعی ایک باشعور اور سلیبی ہوئی لڑکی ہو مگر مسئلہ یہ ہے کہ جس لڑکی کو ”لولیز“ لکھنے کا مسئلہ درپیش ہے وہ لوگ کلاس سے تعلق رکھتی ہے اور اسے ہمہ تن ہو گیا میرے ترسے میں پاتے لولیز لکھوانے کو، اور میں بھی غصے سے بھی نرمی سے ڈانٹ دیتی ہوں۔“ تمہنے آہ بھر کر بولی۔

”نکس لڑکی کی بات کر رہی ہوں۔“

ہماری گھریلو ملازمہ گلشن وہ محبت کے مرض میں بڑی شدت سے مبتلا ہے۔ اور اس کے لور کا اصرار ہے کہ وہ اسے ایک جذبوں شدتوں سے بھرا محبت بھرا خط لکھے۔ جبکہ وہ جتنی ان پر اب وہ ہیرے پیچھے بڑی رہتی ہے تم ہی بتاؤ کیا کیوں مجھے معلوم نہیں لولینر کیسے کیسے ہیں۔

”تو تم نہ لکھو ایک زوردار جھڑکی دو اور کام سے بٹانے کی دھمکی وہ خود بخود اس عشق کے جھاگ سے نکل آئے گی۔“ سعدیہ نے مشورہ دیا۔ ”یہی تو نہیں کر سکتی تم نہیں چاہیں گل گلج اس نے بڑی مسکینی اور عاجزی سے میرے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا تنہا بی بی بڑے دل سے بچی دعا دے رہی ہوں کہ رب موبہنا آپ کو اچا لہبا گورا چٹا پڑھا لکھا سونپی بڑی گاڑی والا شوہر دے۔ آپ میرا یہ کام کر دیں ورنہ میرا شیدا تو مجھے چھوڑ جائے گا نا افس ہو کے۔“

”اب تم بتاؤ ایک گورے چنے اونچے لمبے گاڑی والے کو ایسا ہیڈ ہم سفر کی دعا سن کر میں کیسے اس کا کام نہ کروں جبکہ تم جانتی ہو کہ مجھے شادی کا وہ بھی اچھے ہنڈ اسم امید بندے سے کتنا شوق ہے۔ کیا پتا گلشن بی بی کی یہ دعا منظوری پالے اور میں بڑی خوبصورت بھی گاڑی کی فرنیٹ بیٹ یہ بیٹھی ہوں اور اس کے محوش شخص ایک لولینر کہہ کر دیکھنا کون سا مشکل کام ہے۔“ تہینہ نے ساری رام کھانسی۔

”عجب احمق لڑکی ہوشیاری کی دعا کے محوش لولینر لکھ کر دیتے پر راضی ہو گئیں۔“ سعدیہ ہنستے ہوئے بولی۔

”تم بس منے جانا میرا کام نہ کرنا۔“ وہ منہ بنا کے بولی۔

”سعدیہ آپ جانتے حاضر ہے۔“ میرا اندر آئی تھی۔

”اسے کہتے ہیں زندگی کا مزہ گرما گرم

چائے اور فائٹ ایک عدد لولینر لکھ کر دینا کہ میری مشکل آسان ہو۔“ تہینہ چائے دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔

”کیسا لولینر تہینہ آپ۔“ میرا نے چونک کر پوچھا تھا۔

بھئی محبت کے جنونی طوفانی جملوں سے بھرا محبت سے بھر پور ایک عدد لولینر چائے۔ اگر یہ لولینر لکھ کر دیا گیا تو وہ دل ہیشتہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔

وہ گہری سانس لینے ہوئے بولی۔

”کون سے دو دل۔“ میرا نے اگلا سوال داغا۔

ہماری نو خیز گھریلو ملازمہ گلشن اور اس کے اکلوتے عاشق شیر کے دل جو محض ایک لولینر ملا دے گا۔

”میرا تم جاؤ اپنا کام کر دینے تو یونہی کو اس کرتی ہے۔“ سعدیہ نے اسے اٹھایا تھا۔

”تم خاموش رہو مجھے بات کرنے دو۔“ میرا تم تو اظہار میں سویر بہت دھمکی ہو اپنی میں اکثر ہیرہ ہیرہ ویز ایک دوسرے کو لولینر کہتے ہیں۔ یار تم ہی میری مدد کرو۔“ وہ اب میرا کو بھر پور تھی۔

”ہاں ابھی برسوں ہی تو میں نے عامر خان اور جوی چاول کی فلم دیکھی ہے جس میں عامر خان نے ایسا پھر کتا لولینر لکھا تھا کہ جوی چاول آگ پر جلتی ہوئی اسے لٹے آگئی۔“ میرا پر جوش انداز میں بولی۔

”مذہ مسئلہ ہی حل ہو گیا ایسا کہ تم وہ فلم ایک بار پھر دیکھو اور وہ سارا لولینر ٹوٹ کر کے تجھے دے دو۔“ تہینہ تیزی سے بولی تو سعدیہ نے فوراً ٹوکا۔

”میرا یہ کام نہیں کرے گی میرا اسے فلم دے دو یہ خود کرے گی جو کرنا ہے۔“ اور میرا اس پر کہ رہ گئی۔ مگر جاتے جاتے تہینہ چپکے سے اسے

کام پھر سوچ گئی۔

☆ ☆ ☆
چند یوں سے حدت زدہ آنکھوں میں یار بھئی خواب کی پلکوں میں دل کی سنہری جالیوں میں کہ کاٹوں کی قد لیں بالیوں میں لکیروں میں ہاتھوں کی کہ پوروں میں انگلیوں کی دھڑکن میں سانس میں سینے میں کروں میں جب سے چاہا ہے تم کو جب سے میں دیکھ رہی ہوں خود کو اور سوچ رہی ہوں کہ تم

”زندگی میں میری کہاں کہاں پر ہو؟“
”واہ واہ زبردست اگر کسی اور نے یہ نظم لکھی ہے تو واقعی قابل تعریف ہے اگر تمہاری ذاتی کاوش ہے تو نری تھے منہ سوچ ہے۔ شرم آتی چائے نہیں ایسی باتیں سوچتے پھر سر عام کہتے لکھتے۔“ شمرہ منہ بنا کے بولی۔

”یہ سب میں نے نہیں ایک شاعرہ نے کہا ہے۔“ میرا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

”وہ تو اچھی شاعرہ ہے اور تم کیا ہو نا لاکھ لکھی سنوؤ فٹ مر کے میٹرک میں اتنے نمبر لیے کہ کالج میں ایڈمشن ہو سکے اور کالج کلاسز سٹارٹ ہو گئیں تو صاف جزا دی بجائے کورس کس کے شاعری سے تشعل فرما رہی ہیں میرا تم میریس لوائے کیرئیر کو اسٹڈیز مذاق نہیں ہوئیں۔“ ساجدہ نے ٹھہر کا۔

”میں کب مذاق کہہ رہی ہوں پڑھائی کا بھی ہانم ہوتا ہے اور انجوائے منٹ کا بھی۔“

”اتھار تو ہر نامہ ہی انجوائے منٹ کا ہوتا ہے میری بچی، بھی کیل بھی سی ڈی پیس بھی کیرم پور ڈی پڑھائی وہ ج میں نہیں آجاتی ہے خالی جگہ پر کرے کو۔“

”ارے بھابی کیوں دماغ کھپائی کرتی

ہیں۔ اس عمر میں لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔“ نسرین چچی بولی۔

”ایک بچی نرالی ہے ورنہ اس گھر میں دوسری لڑکیاں نہیں ہیں کیا؟ انہوں نے بھی اسٹڈیز اور دیگر Atctivities کو سچ کر رکھا ہے یہ کیوں نہیں کر پاتی۔“

”اگر یہ بچی پڑھا کر لڑکیوں کے نقش قدم پر چلتے گی تو پھر یہ کون یار رکھے گا کہ شاہ رخ کی سی آنے والی فلم کون سی ہے۔ سلمان کا تازہ ترین معاشقہ کس اداکارہ سے چل رہا ہے۔ حدیقہ کیانی کا نیا البم۔“ کیسا رہا اور ہالی وڈ کی مودی نے آسٹرا پورٹڈ حاصل کیا۔“

”آؤ میں لالوچ میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔“

”م چاہتا تو جیسے ظلم نہیں سوائے کرکٹ کھیلنے کلب جم جانے کے سوا کچھ یا د نہیں رہتا۔“ وہ جل کر بولی۔

”دیکھ لیں چھوٹی امی زبان کیسے چلتی ہے اور کیسی بھارت ہے اسے لڑنے میں یہ کام تو بنا کے کر رہی ہے۔“ وہ ساجدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیا پیچھے پڑے ہوئے ہوں لوگ میری بچی کے“ ضمیمہ بچن سے بولی۔

”بڑی امی سمجھائیں اپنے اس بدترین بیٹے کو میرے منہ نہ لگا کرے۔“ میرا اونچی آواز میں بولی۔

”اور اپنی اس کٹ کٹ بھئی بی کو بھی سجدہ میں کہہ اپنے اظہار ابھی سے سدھار لے وگرنہ اگلے جا کر جوتے پڑیں گے۔“ آؤ میں نے کہا۔

”میری بچی کو سب سر آنکھوں پر بیٹھا نہیں گئے اتنی خوبصورت ہے خدا اس کے نصیب اچھے کرے۔“ وہ پیار سے بولیں۔

”ارے بولی ماں خوبصورت تو سبھی قادر کی غلیبہ بھی ہے مگر اپنے کرتوتوں کی بنا پر دوسرے

میں نے ہی طلاق لے کر آگئی۔“ آذین بولا تو ساجدہ نے کچھ محل کرانی تو عمر کو بصورت میں کود بکھا۔
”خدا نہ کرے ایسا دیا کچھ ہو میری بیٹی کو رب سوچتا ہر خوشی دکھ اور اچھا کھر بار دے۔“ کچھ بھی تھا میرا سچی تو ان کی بیٹی اور وہ ڈانٹ ڈپٹ تو سکتی تھیں مگر ایسی بات سننا ہر گز گوارہ نہ تھا۔

”آمین اور تم بھی بولتے ہوئے اپنی زبان کو ذرا کھڑوں رکھا کرو۔“
نسرین چچی ڈپٹے والے انداز میں بولیں انہیں خود آذین کے الفاظ برے لگے تھے اپنی اس حمایت پر وہ بہت دل کھول کر ہنسنے لگی تھی اس کی روشنی چھائی چڑی اور آذین کو یہ بھی کب گوارہ تھی وہ اب میرا کو بچا دکھانے کے لیے اس کی کسی کمزوری کی تلاش میں تھا اور یہ کمزوری جلد ہی ہاتھ لگ گئی۔

☆ ☆ ☆

میری جان میرے دل اور دھڑکیوں کے مالک و ہمارے۔

رشید عرف شیدے!

سلام محبت پیارے شیدے تمہارے بے حد امرا پر خط لکھ تو رہی ہوں مگر کبھی تمہیں آتا کہ اس کا عقد کے بے جان کڑے پر اپنے جذبات و محبت کا اظہار کیسے کروں، وہ محبت وہ پیار جو صرف اور صرف تمہارے لیے میرے دل میرے سانسوں میں ہے اور یہ پیار ہر لمحہ تمہیں سوچتے دیکھتے اور پاتے یہ امرا کرتا ہے مگر پاتے یہ بچہ داری اور ظالم ساج کی دیواریں جو ذرا ہی دھمکانی اور روکی ہیں مگر پیارے شیدے تمہارے پیار کو میرے دل سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں نکال سکتی بے شک تم آزما کے دیکھو ایک دفعہ آواز دو میں ہر رشتہ ہر بندھن اور دنیا کے سب لہرے توڑ کر تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں بھلا تمہاری محبت

کے سوا مجھے دنیا کی کوئی دولت کوئی رشتہ نہیں چاہیے شیدے میں خرابوں میں نہیں حقیقت میں تمہارے ساتھ مرنا چھینا چاہتی ہوں شیدے تم نہیں جانتے تھے تم سے کتنی محبت ہے جتنی کہ شاید سچی کو ہندو اس اور میرا گوارا شیدے سے بھی نہ ملے، سچ آواز دلو۔
تمہاری اور صرف تمہاری۔

وہ نام لکھنے لگی تھی کہ چیخے سے بڑی تیزی سے ایک مردانہ ہاتھ آیا اور وہ کاغذ ٹھوس میں لگا ہوں سے اوپر چل ہو گیا وہ حیرت سے اچھل کے مڑی تھی اور دوسرے پہ اس کے چہرے پر خوف اور دہشت چھا گئی تھی۔ آذین اس لو لیٹر پر نظر کریں ڈور اسے ہوئے ساتھ ساتھ اسے بھی دیکھ رہا تھا۔
”ہوں تو یہ وجہ ہے اسی لیے پڑھانی میں تمہارا دل نہیں لگتا دل غلط راہ پر چل گیا ہوا ہے۔“ اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔

”آذین تم اسے مجھے دے دو تم دیکھو تم غلط سمجھ رہے ہو تمہیں نہیں چاہیے یہ۔“ وہ بے چارگی سے بولی۔

”یہ لو لیٹر ہے جو تم نے اپنے لور کو لکھا ہے اور باقی غلط سب چھوٹی ای کو بتا کیونکہ یہ خط ان کی عدالت میں پیش ہوگا۔“ وہ کاغذ نیچے جیب میں رکھنے لگا۔

”تمہیں آذین پلیز ایسا مت کرنا۔ تم بہت اچھے ہو۔“ وہ محبت بھرے انداز میں بولی۔
”میں واقعی بہت اچھا ہوں اسی لیے اس گھر کی عزت کو منی میں رہنے سے پہلے بچانا چاہتا ہوں۔“ وہ استہزا پر انداز میں بولا۔

”دیکھو آذین تم سمجھ نہیں مسئلہ کیا ہے تم اسے مجھے دے دو میں ساری بات تمہیں بتاتی ہوں۔“ وہ باقاعدہ روئے والی ہوئی۔

”میں سب کچھ چکا ہوں۔ اب صرف تمہیں سمجھانے کی ضرورت ہے۔“ وہ بہت غصیلے چہرے میں کہتے ہوا مڑا اور اس گھر سے لگتا چلا گیا مبرا کو بیکدم اپنے اندر بے بسی کا دھواں پھیلتا

محسوس ہوا۔

آج تو سہوہہ آئی بھی یہاں نہیں رہا۔ وہ اپنی فریڈ کی شاوی میں مگی ہوئی تھی سدرہ کے ساتھ میری صفائی کون دے گا۔
”وہ سوچتے ہی مگی کے گھرے کی جانب بھاگی تھی مگر گھرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔
”یہ مگی کا گھر ملا کڑ کیوں ہے سے۔“ وہ پاس سے گزرتی بسترہ سے پوچھ گئی۔

”ابھی آذین بھاگی ان کے پاس گئے ہیں کوئی ضروری بات کرتے مگی نے خود کمرہ بند کیا ہے تاکہ انہیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔“ بسترہ نے کہا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا مگر بڑی ہی اور نسرین چچی کے لیے پھر بند ہو گیا وہ بے چینی سے ہونٹ کاٹنے پریشان لگا ہوں سے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے مگی سے سوچاں پر رابطہ کرنے لگی مگر ان کا جواب آف تھا۔

میرا لکھ جو وہ میں ڈر خوف لکھتی اور یہ مگی ایک ساتھ سرایت کرتے مگی اسے اب کچھ آیا تھا کہ سدرہ نے اسے جہیز کو لو لیٹر کچھ کر دیتے سے کیوں منع کیا تھا۔

گھرے کا دروازہ کھلا تھا مگر اسے اندر داخل ہوتے ہوئے یوں لگا جیسے ہر شے کو گھرے سیاہ اندھیرے نے ڈھانپ لیا ہے سب کی نگاہیں اس کی جانب تھیں اور ان نگاہوں میں طامست ٹھٹھک بے چینی و یقین کے ساتھ اعتبار ٹوٹنے کی کیفیت لگتی تھی۔

”میرا یہ لو لیٹر تم نے لکھا ہے۔“ ساجدہ بیگم کا لہجہ بے حد سرد اور شدید تھا۔
”جی یقین کریں میں۔“

”میں پوچھ رہی ہوں اسے تم نے لکھا ہے تمہاری لکھائی ہے ناں۔“ وہ پہلے سے زیادہ سخت اور شہد سے لکھ میں بولیں۔
”جی میں نے لکھا ہے۔“ وہ بھرمانہ انداز میں سر جھکاتے ہوئے بولیں۔

”وہیں تھیں آتا کہ تم ایسی غلط حرکت کرکے ہو سکتی ہو اسی لیے پہلے سب نے تمہاری چیز راہنگ کی تصدیق کی اور یہ تصدیق ہوگئی تو۔“
”یہ شک یہ چیز راہنگ میری ہے مگر۔“

وہ تمام ہتسہ میں کرتے ہوئے بولی۔
اس کی عمر تو بیس چھوٹی تھی، ابھی دودھ کے دانت ٹوٹے نہیں اس کے آگے تو اساتہ اللہ۔“
آذین کا استہزا پر انداز بھرا۔

”جب یہ خط میرے دوستوں نے پڑھا اور مجھے چیز تو یقین چاہیں کہ میں سوچ رہا تھا زمین پھٹے اور میں اس میں جا جاؤں۔“

وہ بولتا جا رہا تھا اور مگی اسے لکھا جانے والی نگاہوں سے اس گھر کی جارحی میں وہ لکھتا چاہتی تھی کہ کیا اس کرتا ہے یہ سب میرے ہاتھ سے ابھی ابھی بچپن کر لایا ہے اور میں نے بے خط لکھا مگی جہیز کے کہنے پر اس کے لیے ہے۔ مگر مگی کے بے در پے پڑنے والے نوروز اور انہوں نے اس کا دماغ ٹھوس میں گھسا دیا تاکہ ہونٹ کمر گردن ہاتھ وہ جوتے سے مسلسل اس کی چٹائی کر رہی تھیں بڑی ہی اور چچی نے بے شک چیز لایا تھا اور تب تک وہ ابھی چٹائی کر رہی ہو سکتی تھی۔

”کیا نہیں کیا میں نے ان کے ساتھ خوشی اور آرام کی خاطر ابھی چکی گورنمنٹ کی چلب مگی مگر اسے گھر اور بچوں کو ترجیح دے کن ان کی محبت تربیت اور بہتر توفیق کے لیے بچہ داری بکتریں لباس و خوراک کے ساتھ اچھے مٹھے اعلیٰ اداوں میں ایڈمنسٹریٹو لگائے جو ناگوار اور بے اولاد لکھے کیا دے رہی ہے؟“ وہ بے ساختہ دودھ کیا۔

”اور یہ لڑکی تو جب سے پیدا ہوئی ہے سونے میری مشکلات بڑھانے اور پریشانیاں پیدا کرنے کے اس نے اور کچھ نہیں کیا۔ کیوں پیدا ہوئی پیدا ہونے ہی مر کیوں نہیں گئی۔ کیوں مجھے

دکھ دیے گورہ گئی۔

ساجدہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے رونے لگی تھی۔

”بس کر ساجو پاگل ہوئی سے کیا جو ہو گیا مٹی ڈالو اور گھر کے مردوں تک یہ بات مٹی طور پر پہنچے دو۔“ نسیم اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

”بھائی! کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا مجھے اس مٹی اولاد نے۔“ وہ سسکیں بھرا کاجیب حال تھا وہ سارے شیشی شیشی چٹکی لگا ہوں سے بس دیکھ جا رہی تھی۔

”دیکھیں کیا حاصل ہے اس کا کتنے جگر سے پیٹھی ہے اور بے بہ قیمت عذات تو مریوں نہیں مٹی ایسا کرنے سے پہلے کیوں تجھے عزت سونپھا یا اس نہیں آیا۔“ وہ اٹھ کر ایک بار پھر اسے پیٹنے لگی تھیں۔

میرا مار کھاتے ہوئے ان کا دایاں ہاتھ مٹی تھی۔

”بھائی! پلیز چھوڑیں دفع کریں جان سے ماریں گی کیا۔“ نسرین چچی اور نسیم یکدم نے پھر اسے چھڑایا اور کمرے سے جانے کا اشارہ کیا اور اس کی سارے آنکھیں مٹی کو دیکھتے ہوئے جیسے خواب میں تھیں اسے روٹا آ رہا تھا نہ درد ہو رہا تھا اس کی حسابات جیسے ناکردہ جرم کے احساس سے دفن ہو چکی تھیں۔

نسیم یکدم کی کہن بپار تھیں انہوں نے کسی بچی کو اپنے ہاں بچوانے کا کیا تھا۔ تو سدرہ اور سحر یہ شادی سے واپس پر سیدھی کو کسے چلی گئیں اس کی مصیبت سچائی کو کوئی دینے کو کوئی نہ تھا پاس۔

زندگی کے تمام درد اڑے ایکدم سے اس پر بند ہو گئے تھے، کالج اکیڈمی سب بند تھا وہ سارا وقت اپنے کمرے میں پچاسی کے جگر کی مانند بند رہتی کوئی اس سے کچھ سننے پر تیار تھا نہ ماننے یہ کوئی کچھ کہتا بھی نہ تھا کتنی عجیب بات تھی اس نے اپنی

زندگی سے خوشی کو خارج کیا کسی اور کے لیے کسی اور کی محبت کے لیے وہ محبت جو اس کی زندگی میں کہیں بھی ہی نہیں اسے پر نام مٹی تھی اور یہ سب آدین علی کا کیا دھرا تھا یہ شخص بچپن سے اس کی چڑ اور ضد بنا ہوا تھا ہوش سنبھالنے سے لے کر ایک ہر جگہ ہر مقام پر مہرانے اسے اپنے ہجے کی خوشیاں دھوٹے اور دکھ اس کی بھولی میں ڈالنے دیکھا تھا اور اب وہ اس کی زندگی بھر کا تاشہ داغدار کر گیا تھا یوں کہ وہ احتجاج بھی نہ بلند کر پائی اسے آدین علی سے شدید ترین نفرت محسوس ہوئی۔

”خدا کرے تجھے زندگی میں کبھی سکھ نہ ملے اس نے دکھ دل ہے بدو جا مٹی دور ہوئی تھی وہ سب سے اس ایک شخص کی بدولت اس کا کھانا پینا اٹھا پینٹنا سب اپنے کمرے تک محدود ہو چکا تھا غم اور ہشمرہ اس کے پاس بیٹھیں باتیں کر رہیں بڑی امی اور چچی روز آٹھ بجے ابا اور ڈیڈی

سب کے روئے ہنسی تھے بدی میں تو مٹی وہ اس کا عیب نہیں کرتی تھیں۔ اس کی طرف دیکھتے سے بھی گریز کرتی تھیں ان کی طبیعت خراب تھی میرا بہت جھٹ کر کے ان کے کمرے میں گئی تو وہ دوا کھا کے نکلی ہوئی تھیں۔ سستا ہوا چہرہ اور پہلے سے قدرے کمزور و جو دمیرا کو دکھ سا ہوا جانے انجانے اس کی حرکت نے ہی مٹی کو بپار کیا تھا جانے کیا سوچتی ہوگی اس کے متعلق آسوا اس کی پلکوں کا بند توڑ کے نکلے اور وہ مٹی کے پاؤں پکڑ کے ان پر سر رکھ کے ڈارو تھا روٹی چلی گئی۔

”میرا تم ہو کیا ہوا مٹی۔“ ساجدہ تڑپ کے اٹھیں تھیں تو آخر ماں مٹی مٹی کے آسوا اندر تک ہلا گئے۔

”مٹی پلیز مجھے معاف کر دیں میں نے کچھ نہیں کیا میں بالکل بے گناہ ہوں۔“ وہ سسکتے ہوئے بولی۔

”مجھے معلوم ہے سچ کیا ہے تمہیں معافیاں دینے کی ضرورت نہیں گناہ تمہارا نہیں میرا قصور وار

تو میں ہوں کہ جس نے بیٹیاں پیدا کر لیں مہران کی تربیت نہ کر سکی میں ہی اصل مجرم ہوں کیونکہ خدا کا عیب نہیں ہے کہ جس شخص نے دو بیٹیوں کی نشوونما تعلیم و تربیت تک اور احسن طور پر کی یہاں تک کہ وہ بیاہو دی گئیں اور پاکیزہ اطوار ہیں تو ان کے والدین جنت کے حقدار ہونگے کیونکہ ایک بیٹیاں جنت کے راستوں کا نشان اور والد پھر جنت کو واجب کر دیے والی ہیں مگر تم نے تو میرے لیے دوزخ خرید لیا وہ پھر سے رونے لگیں۔

”میرا چپ سجدہ بنا لکھیں جھکائے انہیں دیکھئے مٹی اس کے پاس کہنے کو جیسے کچھ بھی نہ بچا تھا بے انتہا بے انتہا دکھ کے حشر میں وہ سارے کتنی تھی۔

☆ ☆ ☆

کوئٹہ سے واپسی پر سجدہ کو یہ سب معلوم ہوا تو اس کے سر پر جیسے سائے آسمان آکر رہے تھے۔ وہ حیرت کی فراوانی سے مٹی دیر بول نہ پائی اس دن ان میں سادک سا ہوا۔

”دیکھن شیدا تھیندہ اڑہ گاؤ وہ ماٹھے پر ہاتھ مارتی مٹی کے دامن میں پھینک کر میرا کے پاس بھاگی تھی۔“

”بیوقوف احمق لڑکی جب میں نے تمہیں مع کیا تھا تو تمہیں کیا ضرورت تھی یہ بلا اپنے سر ڈالنے کی اب دیکھ لیا پرانی ہڈی روٹی کا نتیجہ۔“

”مجھے سے اس کے میرا کو پھینچ مارا تھا۔“

”آئی مجھے کیا معلوم تھا وہ کہنے اس بات کو پالے گا اور یوں اچھالے گا میں تو تھیندہ کے کہنے پر۔“ وہ روتے ہوئے بولی۔

”پھر وہی بات تھیندہ اگر تمہیں کنوئیں میں چھلانگ لگانے کو کہے گی تو کیا تم لگا لو گی۔ انسان کو خود سوچنا چاہیے کہ اس کے حق میں کیا برا ہے کیا بھلا تم نے اپنے اور زندگی کے درد اڑے خود بند کیے ہیں۔ اب ہاتھ میں کس کس کو صفائیاں دوں

تمہاری اگر سب سچ بتا دوں تو میری دوستی پر حرف آئے گا مجھے تھیندہ سے سب حقائق توڑنے پڑیں گے چپ رہوں تو تم قصور وار بنتی ہو یا سوچے مجھے کھائی میں گرنے والے تم جیسے لوگ ہوتے ہیں جو گرتے سے دوسروں کو بھی کھینچ لیتے ہیں۔“ وہ غصے سے بولی گئی۔

”آئی پلیز میری تواضع پر بھی رک مٹی ہے میرا کیریز داؤ پر لگ چکا ہے۔“ وہ سسکی۔

”چپ کر واپ میں سوچتی ہوں کیا کرنا ہے آگے۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ پچاسی کی جس طرح سجدہ نے کنوئیں کیا وہی جاتی تھی مٹی کچھ سننے ماننے کو تیار نہ تھیں۔

”مٹی یقین جانیں جو کچھ ہوا یہ سب ایک غلط فہمی کی بنیاد ہے میرا بالکل بے قصور ہے۔“

”ہیڈا اٹھک اس کی ہے غلط فہمی کئی ہے۔“

”یہ وقت بتائے گا میرا کی سچائی قدرت ظاہر کرے گی کین آب مال ہے آپ کو اپنے خون پر یقین ہے تو جان لیں کہ خط میرا لے لکھا ہے مگر اس کے باوجود نہ کو وہ کسی سے محبت کرتی ہے اور نہ کسی سے لیلیز کا رابطہ ہے اس سے یہ خط لکھوایا تھا۔ کسی اور نے کسی اور کے لیے اور وہ کون ہے یہ میرا بھی جانتھیں کتنی۔“

”اس نے کہا ہی گھر کے سنا دی اور تم نے یقین کر لیا۔ اگر وہ بے قصور ہے تو بتائے کہ کس نے لکھوایا کیوں اور کس کے لیے۔“

”ساجدہ تم بھی بے گناہ بچھڑو مٹی ٹھیک ہوگی۔ ہو سکتا ہے مٹی کی گناہ کا معاملہ ہو۔“ نسیم یکدم نے کہا۔

”تو سب مٹی مر گئی کیا۔“ انہیں قصداً آیا۔

”مٹی پلیز جو ہوا مٹی والیں آسجدہ ایسا بھی نہ ہو گا آپ میرا کی اسٹریز تو نہ روئیں۔“

”پہلے کیا کار نامہ انجام دیا ہے اس نے مزید پوچھ کے کیا کرے گی، بس رہنے دے اسے چار دن گھر واپی سیکھنے دو پھر اگلے گھر سدا

رہی۔ وہ پھر لڑی سے بولیں۔
 ”ابھی سترہ سال کی تو ہے وہ کچھ بڑی تو
 ہونے دیں۔“ وہ بھی بولی۔
 ”نہیں تم چپ رہو میں پتھر پاتی ہوں مجھے
 کیا کرتا ہے۔“ وہ بھی سے لگ گئیں۔
 ”اگر بڑے اربابا ذی بوجھ بیٹھے کہ وہ
 کالج کیوں نہیں جاتی تو آپ کیا کہیں گی۔ اس کی
 باری کا بہانہ کب تک چلے گا آخر پتھر ایک بار
 بان لیں میں جانتی ہوں ہر آپ کے اعزاز
 کی لاج کے کی آپ کو آج کے پھیلے پر قطعاً
 شرمندگی نہ ہوگی۔“ سحر نے باقاعدہ ان کے
 پیروں پر ہاتھ رکھے۔
 ”تم جتنا تم جانتی ہو سوجتی ہوں۔“ ساجدہ
 تو رپاواؤں کی طرح بولیں۔
 اور اگلے ہی دن سحر کا کالج اور دیگر
 مرگرمیاں پھر سے شہرت ہو گئیں مگر اس چند دن
 کے بعد باہر لگنے والی برسات سے سحر غصہ مچی۔
 وہ، ٹالافٹی سٹ اور ہری لڑائی پر کمر بستہ ہوا
 جیسے کچھ بھی نہ تھی۔ بر وقت کا نہ لانا نہ مانتا نہ تھا اور
 ایک سنجیدگی کی ذہانت و اعتماد کیا لہا وہ تھا۔ جو پہلے
 کے تھی تو جو کے نہ دیکھا۔ آدین کو تو تو تھا ایر کبکتر
 کرتے ہی اسی تعلیم کے لیے قانون بگاڑ دیا گیا اور
 ہر وہ سکون ہی ہو کے خود پر لگے عداوت و شرمندگی
 اور ملا مت کے زخم دھونے کو لگا تارخت کرنے لگی
 اور سخت دنگن کی بدولت بہت جلد وہ ٹاپ پوزیشن
 ہو لہوڑ ستودہ میں اپنی جگہ بنا گئی۔ اس کا خیال
 رویہ لیے دیے رہے والا اعزاز اسے یونیورسٹی میں
 ممتاز رکھا۔ تو اچھا جو ازان رویہ اور سب کو دل
 جیتنے کی کوشش میں معمولی سے معمولی کام کو بھی مقدہ
 چینیائی سے کروڑ پائیوں پر ایوں میں منور دیا گیا۔
 جس کو ذہانت کا سرچ تو پارسانی و پاکیزگی
 کا سہل ہر برائی سے پاک ہر اثر سے وقت کے
 ساتھ خوبصورت دیدہ زیب ہوتی گی چاہے اس
 کے لباس کا آگ لاری تے وہیں گئے تھے۔

کتنی محنت کی تھی اس نے یہ سب کرنے کے
 لیے کس قدر راز رکھا ہے آپ کو اور جب زندگی
 جینے کے قابل بنے گی تو وہ پھر سے آگیا تھا۔
 جو ہی جس نے اس سے جینے کے تمام حق
 چھین لیے تھے، اس کی ساری کشتیاں جلا کے سڑ پر
 رواں کیا تھا میرا کی ساری کشتیاں جلا کے سڑ پر
 کھڑے خود سے کھس جا کر ان میں جس کی تمام تر
 مردانہ وجاہت کے باوجود اسے اس سے شدید
 ترین نفرت محسوس ہو رہی تھی۔
 ”نہیں میں بھی معاف نہیں کر سکتی آدین
 علی تم جتنا ناپسندیدہ رہو گے۔“ اس کی آنکھیں
 پھر سے جھلک اٹھیں تو وہ رخ موڑ کے دوبارہ سے
 ایک لگا کے چہرہ پوچھنے لگی۔
 سوز جگر بھی وہی، سوز دل بھی وہی
 اے میرے دوست تیرے بچنے غم بھی وہی
 اسی طور سے لگا ہے کوئی برسوں بعد
 کر لاتے ہوں دن کے گھوٹ میں خوف و
 حیرت
 صوبت پھر چھلکی ہوئی رات کے زخم بھی وہی
 ☆—☆—☆
 تمام رات اس نے روتے بچے آنکھوں
 میں کافی دیر وہ شخص جس کے لیے گزرتے سے
 اپنے اندر نفرت کو لی پل شدید ہوتے دیکھا تھا
 اک انتہائی مہر عزیز اور مہر می رشتے کا حوالہ لے
 کر اس کی زندگی میں داخل ہوتے جا رہا تھا اور وہ
 یہ سب قبول کر کے کبر کو تیار نہ تھی۔
 خود پر لا روائی بے نیازی اور طہارت کا
 لہا وہ خ حسانے کے باوجود وہ اک ان دیکھی ناگ
 میں سٹکی رہی تھی اس شخص کو سوچ کر جو اسے دنیا
 میں سب سے زیادہ ناپسند تھا جو بچپن سے اس کی
 خوشیاں چھینا آیا تھا اس کی ہر جیت کے آگے
 آتا رہا تھا۔ جس نے اس سے بھی نرم رویہ نہیں برتا
 وہ اسے دیکھتی تو سانس تک پڑنے لگتی اور یہی
 شخص اس کی زندگی تک کرنے والا تھا کیونکہ کچھ

گھنٹوں بعد آج کی تاریخ میں وہ مستقل طور پر اس
 شخص سے منسوب ہو رہی تھی۔
 اس کے اندر تنفر کی تیز لہریں اٹھ رہی تھیں
 دل کی بے چینی حد سے بڑھ گئی۔ ”اچھی بیٹی چلتی
 وہ ایک ہی بات مسلسل سوچ رہی تھی۔ آدین علی
 سے کچھ کیسے چھڑایا جائے؟
 ”اچھی بیٹی مشرہ دروازہ تاک کر کے اندر آئی تھی
 وہ فوراً سیدھی ہو کے دیکھنے لگی۔
 ”اسلام علیکم میرا آئی آج تو بہت سوئیں نماز
 بھی تھا کر دی۔“
 ”نہیں تو میری کب کی چھین چھینیں اب
 سوتی کہاں ہوں بس خوابوں کے کٹر عانی ہوں۔“
 اس نے کسی سے سوچا اور کھڑے بال اٹھتے کر کے
 کچھ لگائے تھی۔
 ”تم ابھی تک اچھی نہیں رہیں رانی اور مہمان
 آنے شروع ہو گئے۔“ مشرہ بولی ہوئی کر کے میں
 داخل ہوئی۔
 ”مہمان کون سے؟“ وہ چمک کے پوچھنے
 لگی۔
 ”ہماری تفصیل والے بھی کہ پہلا حق انہی کا
 بننا ہے جو داد اور دادی زندہ ہوتے تو آج کا دن
 مزید خوشیاں لیے طلوع ہوتا۔“ مشرہ نے کہا۔
 ”اچھا ہے کہ مر گئے وقت پر جو زندہ ہیں وہ
 کون سا خوشیوں کی بیج پر بیٹھے ہیں۔“ میرا کی
 سوچ پھر سے بھڑکی۔
 ”ایسے یہ ہوتی ہے قسمت مانگو نہ کچھ بیٹھے
 بٹھائے باپ سے میرے ہو گئے۔“ سحر بھی ان کے
 پیچھے چلی آئی۔
 ”تم غریب کر تو رہا رہا نا کچھ بھی ٹٹ ہو چکا ہے
 اور پورے اور تم بھی کھانے والی ہو۔“ مشرہ اسی تو
 سحر نے فوراً کہا تھا۔
 ”اور تمہارے مہمان صاحب تو آج بھی کچھ
 ہیں وہ ہفتوں کا وفد ہے پھر تم ہوگی اور موسم رنگین
 سہانے۔“

شہرہ محض جس کر رہی اس کا کالج دو سال
 قبل ہمسوں زار سے ہو چکا تھا۔ جو ملازمت کے
 سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے اور اب
 آچکے تھے۔ تو شہرہ کی رخصتی کا ارادہ حاصل ہو چکا
 تھا۔
 ”لو کیو کہاں ہو تم لوگوں سے کہا تھا میرا کو
 پار لے جاؤ۔ مہمان آنا شروع ہو چکے ہیں اور تم
 ہو کہ نہیں ایک ایک کر کے کھسی بیٹی ہون اندر کی
 خبر نہ باہر کی۔“ بڑی انی دنگ آواز میں پکاری
 سب بھاگیں۔
 ان سب کے باہر لگنے پر سحر ایک لمبا سانس
 خارج کرتی واٹش روم کی جانب گئی تہ ہاتھ وہو
 کے باہر نکلی اور کچھ اتار کے میز پرش سے بال
 سنوارتے ہوئے پھر سے کچھ لگایا ہاتھوں پر
 کلچرنگ ملک لگاتے ہوئے وہ بھی تو سحر یہ اچھی
 ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔
 ”اسلام علیکم میری ہو میرا تم پر تو دلہا ہے کا
 روپ پہنے ہی چڑھ گیا۔“ وہ اسے خود سے لپٹائی
 ہوئی ہوئیں تو اس کے گلے میں جیسے آنسوؤں کا
 گولہ سا چھس گیا۔
 ”ابھی تم تو ماشاء اللہ ولے اتنی سافٹ اور
 فیکر رنگ کی مالک ہو پار لہا لوں کو نفٹ کا چیک
 دینا ہے۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔
 ”آئی آپ تو ایسا نہ کہیں آپ کو تو میں نے
 اپنی وکالت اسے حق بولنے کو ملایا ہے نہ کہ اپنی
 شکست دے چارگی کا جشن منانے کو۔“ وہ آرزو
 سی ہو کے بولی۔
 ”am so sorry“
 مذاق چھڑھا کر رہے تھے ماحول ایسا بنا ہوا ہے
 کہ منہ سے نکل گیا۔ سحر حال تہ Tens مت ہو
 میں کرتی ہوں بڑوں سے بات۔“ سحر یہ اسے
 حوصلہ دے کے نکلی۔
 ☆—☆—☆
 پچھلے دو گھنٹوں سے بند کمرے میں کیا

مینگل ہو رہی تھی کون سا فیصلہ کنسل اور کون سا او کے ہو رہا تھا۔ وہ جلتے جگر کی جلی کے مانند لاؤنج میں پکڑ کا جی جانتے کو بے تاب تھی۔

”اسے کہتے ہیں خدا جب دیتا ہے تو چھیڑ پھاڑ کے دیتا ہے۔ میرا تم واقعی بہت خوش قسمت ہو سب فیصلے بہت اچھے ہو رہے ہیں مگر تمہارا فیصلہ سونے کے تاج میں اگلوں سے میرے جیسا سہرا ہے۔“ سدوہ لاؤنج میں دھڑے صوفے پر گہرتے ہوئے بولی۔

”کیسا فیصلہ؟“ وہ ڈوٹی ابحرتی ہوئی بولی۔
”ارے بھئی شادی کا فیصلہ اور کون سا سب معنی کا کچھ نہ ہے تھے مگر ای بولیں۔“ گھر کی بات ہے یہ سہرا سیدھا کاج پڑھوادیں رخصتی سے شک ہر اکافائل ایئر مکمل ہونے پر ہو جائے اور سدوہ آئی ارشد بھائی بائین بھائی بیہم بھیا سمیت سب نے بھر پور تائید کر دی۔ اور اب آپ کا نکاح ہو گا۔ آج ہی ہے اس قسمت کی بات۔“

”نکاح، شادی میری“ اس کی رنگت یکدم زرد ہو گئی۔

”ساجن جی گھر آئے دلہن کیوں شرمائے؟“ سدوہ اب ہنسنے ہوئے گائے لگی اور وہ سادگی کی ایک نگاہ سے دیکھنے لگی۔

اکلی رات اور دکھ کا آچھل اس کی یاد اور دکھ کا آچھل بڑی مدت سے قائم ہے جدائی تیرا میرا ساتھ اور دکھ کا آچھل شام ڈھلے بھر سکا رہے کھیل رہی رات اور دکھ کا آچھل کس دریا کی نذر کروں بکھری ذات اور دکھ کا آچھل کس کے غلوں کا تھک کہوں ٹوٹے خواب اور دکھ کا آچھل خون میں بیٹکا جاتا ہے ہوا کا بات اور دکھ کا آچھل

میرے قن بھی کئی رات اور دکھ کا آچھل

”کیا تھام سب زندگی کے بارے میں یہ تو نہ سوچا تھا۔ زندگی جو روپ لے کر سامنے آئی تھی کچھ نہ آتا تھا۔ اس کے چہرے پر اعتبار کرے یا رنگ پر ہنسنے سکرانے سب اپنے چہرے اپنے لوگ اس کے رو رو تھے چپکے دیکھتے بلورسات اور خوشی سے چپکے لیے اور ان سب میں وہ بھی اواس مضمل آزدہ خالی آنکھیں، بے حس دل اور ہر شے ہر چہرے کو بے گامگی سے دھنکتی دکھیں۔

”سدوہ آئی آپ کو تو میں نے اپنی راہ کے کانٹے ہٹانے کے لیے ہلایا تھا اور آپ نے مستقل میرے لیے کانٹوں کی سیج تیار کر دی۔“ وہ اسے اٹھانے کے لیے آگے بڑھیں تو سہرا کا دل بے طرح چلایا تھا۔

”بہت خوبصورت لگ رہی ہو خدا نظر دے بچائے۔“ انہوں نے زور مار ڈھونڈ کر دست کرتے ہوئے ہونے سے اس کی پیشانی پر چڑی۔
”مائی گڈس میرا یہ تم ہی ہو۔ بہت زیادہ زبردست لگ رہی ہو۔ ایسا نہ ہو آذین بھائی کی نیت بدل جائے اور وہ رخصتی کے لیے شور مچادیں۔“ سدوہ بھی تھیرا تھیر خوشی سے بولی تھی۔

اور میرا ان کے تھروں سے بے نیاز دلہن اپنے کے حسین روپ میں تھی متحد کھڑی تھی۔ اسے بہت دھیرے سے آذین کے کمرے میں بیٹھا دیا گیا تھا اور بیٹھے ہی نکاح نامے کے کاغذات اس کے سامنے رکھ دیے گئے تھے۔ اس نے لمحہ بھر نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا سدوہ آئی اور کی اشارے سے سامنے کرنے کو کہہ رہی تھیں۔ وہ یقیناً ہی دکھ اور تاسف کی انتہا پہ آکھڑی ہوئی۔

”یہ ہیں میری ماں، بہن جنہیں میری خوشی کا کوئی احساس نہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں نے مجھ پر زندگی تک کر دی ہے۔“

”اجازت دیں بھائی صاحب۔“ نکاح

خواس اعجاز عباس سے مخاطب ہوئے۔
”اجازت ہے، میرا بیٹی دھنکھ کر دو۔“

آذین نے کہا تو اس کی آنکھیں ڈھلپا گئیں۔
آئسو کا قطرہ چھلکی کی پشت پر گرا اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے دھنکھ کر دیے۔

”مبارک ہو مبارک ہو“ سب آذین کو گلے مل رہے تھے۔

”یہ میری قسمت یہ شخص جو بچپن سے میرے لیے ناپسندیدہ رہا اور عمر بھر کے لیے میرے اعصاب پر مسلط ہو گیا۔“ اس کے آنسو مسلسل بہتے ہوئے چہرہ بھگور رہے تھے۔

”بہت خوش قسمت ہو تم میرا آذین تعاون کرنے والا اور پر غلوں شخص ہے۔“ چھپو نے اس کی پیشانی پر ہاتھ پڑے۔

”ماں واقعی اس نے بہت غلوں ادولی سے میری زندگی برباد کی ہے۔“ وہ اندر ہی اندر کھڑکی۔

”ماں تو تو میرے کڑا سب سے ملے ہو جا میں ذرا سب کے ساتھ آپ کا مودی بچپن اور نو بچپن شروع ہونے لگا ہے۔ راجیل کمرہ لیے آگے بڑھا تھا۔

”نہیں راجیل، میرے سر میں درد ہو رہا ہے میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔“ میرا کسی کا بھی خیال کیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میرا بچی سب کی خوشی کا احساس کرتے ہیں خود ہی دیر کی بات ہے یادگار موقع ہے اکٹھے تصویریں بنا لیتے دو۔“ بڑے ابا اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔

”میرا آئی پلیز سائل“ راجیل پکارا تھا۔
سدوہ نے دیکھا اس کے چہرے پر

سکراہٹ کی جگہ ای رقی بھی موجود تھی۔
”جائے یہ قتل منڈے ہے چہرے کی باتیں۔“

وہ اندر سے پریشان ہو گئیں۔
آذین نے تصویر بنوانے کے لیے اس کے

شالوں پر بازو ڈرا کر لپکا تھا اور وہ کسمب کر رہے تھے اس کی حرکت پر بھی نے نگاہوں ہی نگاہوں میں سرکش کی جسے وہ آرام سے نظر انداز کر گئی۔

سب کزن اسرار کے آذین کو پوچھتے ہوئے تصور بن رہا تھا۔ گھنڈ بھر اسی کام میں لگ گیا تھا۔

پھر زبیرہ اور راجیل کی سگائی اور دو تھپتے بعد عمر کی رخصتی کا اعلان کیا گیا تو بیک باری میں ایک خوشگوار چل چل گئی۔ بزرگ لوگ شکرانے ہوئے ان کے غفلت ملے کو دیکھتے اپنی گفتگو میں بھی مصروف تھے۔

”آج کی اس محفل کے روح رواں آذین بھائی ہیں بہت مرادوں بھرا دن ہے ان کے لیے تو ہو جائے آذین بھائی کی طرف سے ایک شوق گیت۔“ نعمان بڑے اسٹائل سے ہاتھ کا مائیک ہٹانے کا بولا تو سب ہنس پھٹیں۔

”نا بھئی نا یہ گیت دیت ہمارے بس کا روگ نہیں کیوں خواجوا نامور سنگریزی روجوں کو تڑپاتا چاہیے ہو۔“ آذین نے ہنسنے ہوئے کہا۔
”ایک اور آئین بھی ہے آپ شاعری سنا دیں دل کو چھوٹی دھڑکنوں کے تار ہلائی۔“

نعمان خواہا بولا تو سب ہنسنے پڑ گئے اور مجبوراً آذین کو حامی بھرنا پڑی۔ وہ کچھ محلوں کی خاموشی کے بعد اپنے برابر بیٹھی میرا کھد بھر دیکھتے ہوئے۔

بہت دلکش لب و لہجہ میں اپنی خواہشوں، محبتوں کو بیان کرتے ہوئے اس کے اندر اک بھل سی سادہ یاد کر گیا۔

میرے خوابوں کو تنہا کے گھونٹے دینا میری آنکھوں کو کس محبت کے تھپتے دینا بھلکی پر میری دکھنا قبول دعا کا مرہم میرے بے نور نقطہ کو روشنی کے ترے دینا

رشتہ آزدو کان خواب سے ٹوٹنے پائے ٹوک لب پر سراپائی کے ڈالنے دینا میں بڑی کبی مسافت پر ہوں میرے ضم

میرے قدموں میں منزل کے راستے دینا

تھ کو دیکھوں تو بچوں تے جلتے ہیں چراغ
نگاہوں کو خوش نمائی کے ڈالنے دینا
ملائیں تھ سے جو ابھریں وہ گہریں بھلی پر
اصل جس میں ہو وہ رازِ حق دینا
مجھے دینا نہ جدائی عمر بھر کے لیے غزل
دینا تو بس رفاقت کے آہنیے دینا
☆.....☆.....☆

اس کے ہاتھ میں اخبار جہاں کا تازہ شمار
تھا اور سامنے بیٹھے لی دی کے کیبل چینل پر بہت
اچھی سودی آ رہی تھی مگر اس کی توجہ فلم برقی اور نہ
اخبار پر وہ دونوں سے بالعلق نہیں اور مٹی۔ اندر
آئی سعدیہ نے کچھ دیر اسے دیکھا مگر ہراس کے کوئی
رہنمائی نہ دینے پر وہ بول پڑیں۔

”بھولہ بھرائی ہو تم تو کس سے اپنے کمرے
کی ہو گئیں رہا بھر گئی نہیں۔“

”آپ کو زندہ نظر آ رہی ہوں تا تو مجھے
بہت اچھی ہوں اور رہی باہر کی بات تو باہر کا ماحول
آپ نے اتنا اچھا یاد کیا کہ میں خود کو اس کے قابل
نہیں سمجھتی۔“ وہ بڑبڑا کر بولی۔

”مہرا کیسے بات کر رہی ہو“ سعدیہ کچھ
ناراضگی سے گویا ہوئی۔

”جیسا سلوک آپ نے کیا ہے میرے
ساتھ میری زندگی کے ساتھ اس کے لحاظ سے تو
بہت نرمی بھرت رہی ہوں ورنہ۔۔۔۔۔“ وہ بولتے
ہوئے یکدم چپ ہو کر رخ موڑ گئی۔

”مہرا چندا ناراض ہو میری بہن۔“ سعدیہ
نے بے چینی سے اس کا بیڑہ پکڑ کے اپنی طرف کیا
تو وہ رد رہی گئی۔

”تمت کریں یہ ڈھکے پٹے بازی میرے
ساتھ پہچان گئی ہوں آپ کو بہت اچھی طرح۔“ وہ
جھٹکے سے پیچھے ہو کر بولی۔

”مہرا ایس امت کرو۔ ہم سب تمہارے
دشمن تو نہیں۔“

”دوست بھی نہیں۔“ وہ فوراً بولی۔

”مہرا تم سمجھتی نہیں ہو۔ آذین بہت اچھا
بہت بڑھا کھلا اور دیکھا بھلا لڑکا ہے۔ یقین کر دو
اس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار دو گی۔“ وہ
نرمی سے بولیں۔

”عمر بھر کے لیے تو عذاب کا سورج آپ
نے میرے سر پر دھکا دیا ہے۔“ قہر بھری دھوپ میں
کھڑا کر دیا ہے مجھے اس میں اچھا کیا ہے اور وہ
مخلص کتنا اچھا ہو مجھے کیا لینا جب میں اس سے
شدید نفرت کرتی ہوں تو اس کی خوبیوں سے میرا
کیا کام۔“

”یوں مت کہو مہرا وہ اب تمہارا شوہر
ہے۔“ سعدیہ نے ٹوکا۔

”کیوں بتایا ہے آپ لوگوں نے اسے میرا
شوہر کس لیے نے اختیار دیا تھا۔ آپ لوگوں کو کہ
میری زندگی کے ساتھ ایسا سنگین مذاق کریں۔ میں
آپ سب کو معاف نہیں کروں گی۔“ وہ جیسے ہوئے
بولی۔

”مہرا آج بڑا بول بولی خواہ مخواہ دانا
جرا ب کر رہی ہو اپنا بھی دوسروں کا بھی، اچھا بھلا
بڑھ کھٹا پیڑم بندہ ملا ہے اور تمہارے خرمے نہیں
سمجھتے اس کو تو کیوں کی کیا کی بھی بھلا تم تو خوش
قسمت ہو کہ اس نے تمہارے نام قرعہ ڈالا ہے۔“

”تو اس پیڑم اور قابل شخص کے لیے آپ
کوئی اچھی اور قابل لڑکی منتخب کر لیں کس نے کہا تھا
کہ خوش قسمتی کا یہ ڈھول میرے سر پر بجا کے مجھے
ہمیشہ کے لیے بد قسمتی کے خانے میں ملا دیں۔“

”تم تا شکر کی لڑکی ہو۔ عادت پڑ گئی ہے
جہیں ہر ایک بھڑکتے دے گی۔“ سعدیہ غصہ سے
بولی۔

”کیا ہوا ہے تم لوگوں کو کیوں شوز ڈالا ہے اور
مہرا تم کیا قماش لگائے بیٹی جو باہر سب آوازیں
سنائی دے رہی ہیں، مٹی اندر آئیں۔“

”قماش تو میں ہی ہوں آپ کی مہرانی سے اور
اب آپ سب کو قماش ڈال کر قماش بنایا کیسے جانتا ہے

دوسروں کی زندگی کو۔“
وہ بڑے کہہ کے باہر نکلی، سعدیہ اور مٹی ایک
دوسری کو پریشان سے دیکھ کر رہ گئیں۔
☆.....☆.....☆

”آذین کج بناؤ اس رشتے سے تم بھی
خوش ہو یا صرف ایک تنگ کر رہے ہو۔“ سعدیہ اس
وقت آذین کو گھرے کھڑی گئی۔

”خوش ہوں سب میری مرضی سے ہوا ہے
ناخوش ہونے کی کیا بات ہے۔“ وہ دل کھول کر
بہناتھا۔

”جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو۔“ سعدیہ
نے غور سے دیکھا۔

”Please believe me
ضرورت ہے بھلا جھوٹ بولنے کی اور آپ کو یہ
وہم کیوں ہوا کہ میں خوش نہیں ہوں۔“ وہ سینے پر
بازو لیٹتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”In fact میں برا خوش نہیں ہے۔ یہ بہت
مجھے اور ہمارے مٹی کے عالم میں ہے۔“ سعدیہ
پریشانی سے بولی۔

”تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات
ہے۔ پہلے وہ کون سا خوشی اور سرشاری کے عالم
میں ہوئی ہے۔“ وہ بے نیازی سے بولا۔

”آذین وہ بہت بیوقوف ہے کچھ بھی کر سکتی
ہے۔“

”کچھ نہیں کر سکتی وہ سب سے بڑی بات تو
کھلاخ کی مٹی جب وہ آرام سے ہو گیا تو اب وہ کیا
کرے گی۔“

”تمہاری لائف ڈسٹرب کرے گی۔ تم
پریشان رہا کرو گے۔“

”میری لائف؟ آپ کو کیا لگتا ہے وہ پانچ
فٹ کی ذرا سی لڑکی میری لائف ڈسٹرب کر سکتی ہے
اور اگر وہ کچھ کرنے کی کوشش کرے گی تو مجھے اس
سے بچنا خوب آتا ہے۔“ وہ حد درجہ سنجیدگی سے
بولا تھا۔

”تمہیں صبح کیا خاتم نے خواہ مخواہ پریشانی
مولی ہے۔“

”بیاری آئی آپ Tens مت ہوں۔
پریشانی مجھے بہت مزیدار ہے جانی سے مزیدار۔ اگر
پریشانی دین گئی تو وہ بھی خوشی گئی ہے۔ اس کے
گھر میں بہت سکون تھا۔“

”تم میری بات کو سیریلی نہیں لے رہے وہ
تم سے نکاح پر ناراض ہے تمہارا ساتھ اس کے
لیے خوش کن نہیں ہے تمہارا وجود وہ قابلِ نفرت
گردانتی ہے۔ تم اس کے ساتھ ایک اچھی زندگی
کیسے بسر کرو گے۔“

”کہنا کہ آپ پریشان نہ ہوں وہ کسی کے
سامنے کچھ بھی کہے مگر میرے سامنے کچھ کہنے کی
جرات اس میں نہیں۔“

”جب وہ تمہاری بیوی بن گئی تو یہ جرات
خود بخود آ جائے گی۔“ سعدیہ نے باور کرایا۔

”چلیں دیکھا جائے گا جرات کو جرات سے
باز رہے گی۔“ وہ ہنس دیا کہہ کر۔

”یہ بھی لوگوں کو مٹی جانے کیا سبھی پکڑ کے
نکاح کر دیا۔ مٹی تک بات رہی تو محالہ سنبھالا
جاسکتا تھا۔ اب نکاح کو کیسے سنبھالیں۔“ وہ جھنجھلا
کر بولی۔

”یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔“ وہ آرام
سے بولا۔

”تم پر چھوڑ دوں تم جانے کیا چاہو چھوڑاؤ
مجھے۔ پہلے تو تم بتاؤ جب تمہیں اس کے رویے کا
اندازہ ہو چکا تھا تو تم نے اس رشتے کے لیے حاضی
کیوں بھری۔“ بلکہ جنت شریٹ میں ملیں آذین
علی نے لان میں چھٹی گھاسوں کی خوشبو اک گھری
سانس کے ذریعے اپنے اندر چھٹی اور اپنی خوشنما
آنکھوں کو لان پر لگاتے ہوئے بولا۔

”میں نے تو اپنے والدین کی خواہش اور
رضا کو مقدم جان کر حاضی بھری مٹی آگے رہا کام
اس کی ناراضگی یا انکار کا تو یہ کام آپ کے والدین

یہ وقت آئے پر میں خود بتاؤں گا اور بندہ

یہ آفرین علی نامی شخص نہیں جن کی حقیقت

ساتھ رہے ساتھ لے ہوئے ہیں اس رشتے سے

نفرت ڈیز رو کرتا ہے اور میں اسے صرف یہی دے سکتی ہوں۔“

پرانے کی پیادگی

کتابت نہیں ہوا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر انصاری کے ہر شرف کے لئے گئے وہ اپنے پیروں کے بارے سے مجاہدین کو ڈرائے اور کھائے کا سامان ایک کھانا جب سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ کو بھیج دو اسکی روز سے اسے کھانا نصیب نہیں ہوا۔

زندگی

ان کی روزمرہ کی زندگی عربوں اور مسلمانوں کی سی تھی اور انہی کے ساتھ ان کو خاص طور پر رحمت اور یک جہتی کا اجر اس تھا کہ ہر قسم کے ہاتھ کا کام خود کر لیتے تھے۔ اس میں کسی طرح کی عادت تھی کہ کسی صفائی کرتے ہوئے ہاتھوں کو چارہ دالے بازار سے سناٹا خریدتے تھے کیڑوں کو ہوند لگاتے تھے بونٹوں کو کاٹتے تھے لوگوں کے ساتھ چمکے کر آگے کھانا کھاتے اور اگر بعض دفعہ کھاتے تو کہہ بھی سکتے تھے ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور اللہ کے ہی سوا کچھ نہیں سمجھتی تھی کہ جسے میں آگ نہ ملتی اور پانی اور کھجوروں پر گزارا ہوا۔

دنیا کا واحد معجزہ

لفظ ”معجزہ“ کے معنی مجموعہ ”فعلی“ اور ”مخلوق“ ہونے کے ہیں۔ اس کے آگے کوئی فعل نہیں ہے یعنی ”معجزہ“ کے معنی ”جس کی تعریف کا سلسلہ کسی ختم نہ ہو۔“ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ ہوں توں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی حق کو بطش کے مطابق جس وجہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ محض اعتقاد نہیں بلکہ واقعہ و سائنس صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات سے پورے اعتباراً ہے۔ علامہ فضلاء یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے حوالے سے اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف ریاستوں اور بے قراروں کو ختم کرنے کی ضرورت ان کے نزدیک اتنی ہی

زیادتی جاتی ہے۔ بادل ناغہ دہشت انہیں اسی راہ کی طرف آتا پڑا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتی ہے کہ بے شک پیغمبر عرب کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے بغیر اور ان کی زندگی عالم انسان کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اہل ایثرا اور یورپ کے بعض علاقوں کا روحان طبعی فضا روحانیت اور سلامتی کی طرف رجحان رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبر عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ تمام مبارک چودہ سو برس پہلے سے اس کے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے۔ مسلمانوں میں دنیا کی عمر جس قدر روزگار ہوگی خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں جس قدر بھی ترقی کرتی جائے یا اپنے ماضی کو ہراسے دیوں حالتوں میں اسے کمالات ہونگے کہ اعتراف سے چارہ نہ ہوگا۔ اس حیثیت سے تمام مبارک کارنامہ خوبیوں اور انہماکوں کا سلسلہ ہوگا۔

پیش آج بھی اسی طرح کوئی کھانا ہے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خط نفس کی ترقی اور صداقت کا نمونہ تھی بچپن میں ہی لوگ آپ کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”الامین“ پکارا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضروریات کو اپنے خاندان کی ضروریات پر بھی بھی مقدم نہ جانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان تمام عرب بھروسہ و قرار معزز تھا۔ جب بھی قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے اور مخالفت کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں براہ کھار کرتے تھے۔ ”اسے قریش یا یہی زندگی کا ایک ایک لمحہ تھمارے سامنے رہا ہوا ہے۔ مجھے جانا تو کسی کیا تم نے اس عرصہ میں مجھ میں کوئی بھی برائی دیکھی ہے؟“ یہ سچ آج بھی اسی طرح مشرق و مغرب میں گونج رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں کو بھی یہ خیرات نہیں ہوتی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی ایک واقعہ پر بھی حرف گیری کر سکے۔

سلامتی کا یہ عالم

کھانے میں انتخاب صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا عموماً جوگی روٹی ہوتی تھی اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چھٹی نہیں تھی اس لئے اس کی بھاری چھوٹک دیا کر ٹاؤری بنائی تھی۔

چنانچہ عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بھی چمکے ہوئے باریک آٹے کی روٹی تناول فرمائی اور نہ ہی کسی دوسرے خوراک کھانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ چونکہ موجودہ ہاتھوں کا حال فرماتے تھے اور صحت نہیں ہوتی تھی تو چھوڑ دیتے تھے۔

نصف کھجور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال سے زیادہ اپنی امت کی مسائل و سولت کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ لگان و خراج سے وہاں دولت اور اشیاء آپ کو موصول ہوتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوری طور پر لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اسے لیے بچھنے چھوڑتے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ”اسا وقت میں میں روئے تک نہیں آگ نہ ملتی اور اس نئی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بالصف کھجور کھا کر روزہ افطار کر لیتے۔“

کھانے اور کھانے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سرخان پر جب کوئی مسلمان ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس سے فرماتے جاتے ”کھانے اور کھانے“ جب مسلمان خوب میرہ و تار سے حد انکار کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصرار سے باز آجاتے۔

سارہ زندگی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بہت سادہ سہی اور وفات سے پہلے فرمایا ”کہ میرے درجہ کو میرے ترکہ میں روئے میرے کچھ نہ ملے گا۔“

حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادتی

مازہ مسلمان میں سے نہ تھا ہی میں کوئی ناک حالت تو یہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرہ مبارک ایک بیوی کے پاس نہیں رہے۔ غرض کہ یہ بھی ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی نہ تھی کہ اسے بچھڑاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں۔ آپ ہتھیار تک مجھ اور خود ہی تم کو۔ میں۔ باکلی ہر میں مجھ ہی اور ان اشیاء کی بہت بھی ارشاد فرمایا۔ یہ خیرات کر دی جا سکتی۔

ثبات کا تصور

حضرت حفصہ فرماتی ہیں کہ میں ایک ثبات کا تصور تھا جسے ہم ہر اکرا کرتے تھے۔ انتخاب صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر آرام فرمایا کرتے تھے ایک رات میں نے خیال کیا۔ کہ اگر اس کی چار میں کوئی تو غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ آرام ملے گا۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”رات کو تم نے میرے لیے کیا بچھایا تھا؟“ میں نے کہا۔

”نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبات تھا کہ اس کی چار میں کر دی تھی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طریقے سے آرام کر سکیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں اسے تو جیسا کہ تمہاری سی کہو۔ اس نے مجھے نماز شب سے باز نہ کیا۔“

خدا کا شکر گزار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو اپنی در تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ بائیں مبارک پر دوں کھانا۔ حد یہ دیکھ کر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ ”یہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی و خدا کر کے ہے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رحمت بھجواتے ہیں۔“

رونا آگے

ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے پاس شریک مقلی سون

جیت ہے تو خود کو چھڑا لو۔" وہ دوسرے ہاتھ سے
 سچ کر اسے مزید قریب کرتے ہوئے بولا تو گرم
 سانسوں کی پیش سے اس کے رخسار جھلنے لگے اور
 دل عجیب اور تعاقب سے دوچار ہونے لگا۔

"یوں لو جیت ہے مجھے شمع کرنے کی۔" وہ اس
 کا دلچسپ چہرہ اپنے چہرے سے لگا کے مبرا کے
 حرم ہونٹ چھو گیا تو ایک حدت آمیز سسکی پورے
 وجود کو ہلائی وہ لمحہ بھر میں پیچھے سے بھڑکی۔

"تم چہرہ انسان چھوڑ دو مجھے ورنہ میں چلا چلا
 کے سب کو اکٹھا کر لوں گی۔" خود کو چھڑانے کی سعی
 میں ناکام ہو کے وہ گلو گھر سلجھ میں بولی۔

"تو بلاؤ سب کو جمع کون کر رہا ہے زیادہ سے
 زیادہ بھی کہہ دیں گے کہ آخر شوہر تھا تمہارا کوئی
 جسامت کر بھی گیا تو خبر ہے تم چپ رہیں۔ بدنام تو
 تم ہی ہو گی پھر بھی۔" وہ اس کے ملائم ہونٹوں پر
 انگشت شہادت پھیرتے ہوئے بولا تو اس کے سچ
 معنوں میں ہوش اڑا ہے تھے۔ میرا پورا زور لگا کے
 ایک بار پھر خود کو اس کی مضبوط گرفت سے نکال
 چلا مگر یہ کوشش اسے آذین علی کے مزید نزدیک
 کر رہی وہ اب بالکل اس کے سینے سے لگی تو پ
 رہی تھی۔

"کب تک بھاگو گی مجھ سے آخر تو انجی
 یہاں ہی آنا ہے۔" وہ بڑھتا تھا۔

"وہ دن بھی نہیں آئے گا میں تھوکتی ہوں تم
 پر۔" وہ تفرق سے بولی تو آذین علی کچھ دیر بڑی
 توجہ و شجاعت سے اس کی شرعی نگاہوں میں دیکھتا
 رہا پھر یکدم اسے آزاد کرتے ہوئے مسکرا کے
 بولا۔

"اس دن کیا ہوگا یہ پھر بتاؤں گا ابھی تو میں
 جا کے شرہ اور می سے کہہ رہا ہوں کہ میرا دوری
 ہے وہ شادی اس دیکھ کے بارے امیدیں کر رہی
 کہ مجھ سے پہلے شرہ کیوں رخصت ہو رہی
 ہے۔" میرا نے پٹپٹا کے دیکھا تھا اس سے کچھ اجید
 نہ تھا وہ یہ سب اسی طرح جا کے کہہ بھی دیتا اور

سب یقین بھی کر لیتے۔

"نہیں تم ایسا ہرگز نہیں کہہ گے۔" لہجہ سخت
 رکھنے کے باوجود اس کی آواز میں لرزش آمیز احتجاج
 اتر آئی۔

"تو پھر پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس جلدی
 سے سچ کر کے لان میں پہنچو۔" وہ مسکرا ہندہ با کے
 سنجیدگی سے کہتا ہر نکلا۔ تو وہ دل میں اسے شاندار
 قسم کی گالیوں اور کسوٹیوں سے نوازی دارڈروب
 سے پکڑے نکالنے لگی۔

پھر ہندی مایوں کے سارے فنکشن میں
 آذین علی کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل جتا رہا مزید تھل
 پھنکھ کے شوشے نے چھڑک دیا۔

"بھائی صاحب گھر کی تو بات ہے ساتھ میرا
 کو ہندی لگا کے اس کی بھی رخصتی کر دیں سب
 اکٹھے ہیں آپ بھی فرض سے سبکدوش ہوں۔"

اجازت عباس اور ارشاد عباس تانبہ کی انداز
 میں بگمات کی جانب مڑے اور شرہ کے حرم میں
 اس کا ذاتی مبرا کا اٹھانہ پورا کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

عباس پاؤں میں ایک اور دن طلوع ہوا تھا
 اسٹیکوں اور انوں خوشیوں، چھٹیوں سے بھرا زندگی
 کے تمام حسین رنگوں سے سما ایک ساتھ دو دلوں کی
 رخصتی دوبار اتوں کو خوش آمدید کہتا چمکا دن۔

اور جگہ جگہ کے رہنمائی لپٹنے میں دلہن اپنے
 کے تمام تر لوازمات سے سجا ظہر، امہکا وجود حسن
 قاطعہ سینے آذین علی کے برابر بیٹھی میرا۔

اور میری دل کمر کے لپٹنے میں دلہن بنی
 خوبصورت شرہ اور فیصل ندیم شرہ کے چہرے پر جیا
 آمیز تبسم ہلکی چھب بکھیر رہا تھا فیصل محل کے
 مسکرا رہا تھا۔ جبکہ خوشی و سکون آمیز علمائیت کی
 چمک سے کھلا ہوا تھا۔

شرہ میرا سے پہلے رخصت ہو رہی تھی رخصتی
 کے سے گلے ملتے ہوئے اس نے میرا کے ہاتھ
 تھام کے کہا تھا۔

"میرا جو اختلاف ہے اسے بھلا کے دیکھنا
 میرا بھائی بہت محبت کرنے والا پر خلوص اور اچھا
 ہم سفر ثابت ہوگا وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے تم
 سے پہلے اس نے کس کے لیے سونا چمکا نہیں اس
 کے سارے جذبے خالص تھے اور صرف تم سے
 وابستہ ہیں اس کو خوش رکھنے اور خود خوش رہنے کی
 کوشش کرنا میری دعا ہے اللہ تم دونوں کو ہر
 دولت سکون اور نعمت بخوشی سے نوازے اور تم
 لوگ ایک خوشیوں مرادوں بھری زندگی بسر
 کرو۔" شرہ تم نگاہیں لیے بیٹی تو اس کی آنکھیں
 جھلک پڑیں۔

"اڈھول ابھی تمہاری اور تصویریں اور
 مووی بننا ہے میک اپ خراب نہ کرو۔" آذین
 نے لڑکا تو اپنے ہمراہ کھڑے خود پر، پہلے سے شخص
 کو دیکھ کر اس کے احاسات میں اک سنگینی کیفیت

اگر آئی۔
 "میرا زور بھولوں کی جھپٹا تھا زلفی اور
 دودھ ہلانے کے دوران بحث کو اعتماد سے جھیل
 بہت خوش تھا وہ۔

سعدیہ اور مشرہ گوٹیک کی انگوٹھی پہنا کے
 تیسرا ہاتھ آگے ہوا تو اس نے چونک کے دیکھا وہ
 سدرہ تھی۔

"ارے تم کہاں بھی تمہارا یہاں کہاں کام
 بننا ہے ویسے بھی تم تو دلہن کی سہیل ہو۔" آذین
 فوراً بولا۔

"جی نہیں اب میں میرا آئی کی تیار ازدیہن
 کے طور پر دودھ ہلانے کی رسم میں شریک ہوں تو یہ
 حق تو آپ کو دینا پڑے گا۔" سدرہ نے کہا۔

"اور ابھی تو زنیہ بھی ہے اسے بھی قاریع
 کرنا ہے۔" یاسمین بھائی ہنستے ہوئے بولیں او وہ
 فوراً ہاتھ بچھ کر چپ رہ کر گھ گیا۔

"میں بھی ایک گلاس دودھ کے بدلے اتنی
 زیادتی احتجاج مہنگا دودھ ہے تو پہلے بتاتے ہیں
 ہرگز نہ پتا۔"

"اب تو بی لیا۔ قیمت اور گرتی پڑے گی
 ویسے بھی یہ دودھ تو قسمت والوں والوں کو ملتا ہے
 یہاں اسے ترکے موجود ہیں کسی اور کو ملانے۔" قہیم
 نے نقد دیا۔

"بھائی جیکم کی ضمانت کو آپ بھی لوٹا پارٹی
 میں مل گئے۔" سدرہ کو دیکھ کر وہ لڑخندہ صدر سے
 سے بولا تو سب ہنس پڑے۔

"چلو سبھی جلدی کرو لڑکیوں کو قاریع، یہ کام
 بننے کا تم تم رہیں کے ہتھار ہو گئے۔" یاسمین بھائی
 پھر بولیں تو اسے مجبور ہزار ہزار نکال کے سدرہ
 اور زنیہ کو دے پڑے جو انہوں نے قدر سے
 قابل سے تھام لیے بولی امی کے کہنے پر۔

"چلو نعمان اب تمہاری باری ہے بیٹو بھائی
 کی گود میں۔" ارشد نے کہا تو وہ فوراً چلنے سے
 بولا۔

"یہ کیا ہے ہو گی ہے۔"
 "یہ وہ بی بی ہوئی ہے جو تم نے میری
 دھڑکی تھی۔" یاسمین بھائی نے انہیں اس سے کہا۔
 "مگر میں گود میں تو نہیں بیٹھا تھا۔" وہ کھجور

کے بولا۔
 "گھٹنا پکڑا تھا اب یہی رسم نعمان اور
 راحیل انجام دیں گے چلو لو کو ایک ایک گھٹنا
 پکڑ لو۔" قہیم جیکم کا بھر پور ساتھ دے رہے
 تھے۔

"یہ راحیل کیوں نعمان اکیلا گھٹنا پکڑے
 گا۔" آذین پھر بول بڑا جبکہ میرا بالکل خاموش
 سر جھکا کے بیٹھی تھی۔

"میرا اس خالی کرنے کو تو تم نے خاندان
 بھر کے لڑکے جمع کر کے ہزار ہزار دلوائے تھے۔
 پورا پانچ ہزار گیا تھا اب تم بچل کر کے دو۔"
 یاسمین بھائی خوب ہلکے دے رہی تھی۔

"اور ویسے بھی یہ ٹیک تو بھائی دین گی اپنے
 ذاتی پرس سے آپ کا دل کیوں بیٹھا جا رہا ہے۔"
 نعمان نے چوٹ کی۔

www.pkdigital.com

فرادہ جو اصرار نگاہ کی یہ لو ہزار ہزار اور
بھاگو۔
آؤ میں نے میرا کسے پھولے پھولے پر جس کو
دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ فاذل ہے گھنٹہ بحث کے بعد ہزار کا
نوٹ ہم نہیں لیتے۔
”تو جاؤ گھناؤ محنت کا پینہ ہے حرام نہیں
آیا۔“ مشرہ نے پہنوں کا خیال کر کے کہا۔
”ہاں سونے کی انگوٹھی پہننے کے تم حمایت
نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔“ راجیل جل
کر بولا تو پھر سب ہنس دینے لگے۔ جبکہ نعمان بولا
تھا۔

”چپ کر دو یا بھائی دینے لگی ہیں۔“
”اور میرا سنے واقعی دونوں کو پانچ پانچ ہزار
کا نوٹ پکڑا دیا۔“
”نہیں بھئی یہ داپہیں کرو بہو کو تم دونوں یہ
لو۔“ نسیم نیگم نے خود انہیں دوہ دو ہزار ہزار
گھڑیاں دے کے میرا کسے پیسے داپہیں پر جس میں
رکے۔

”اب بس کرو رو فحشی ہونے دو۔“ ارشاد
عباس آ کر بولے تو سب پیچھے ہٹے ہوئے انہیں
راہ دینے لگے ارشاد نے بولے بھائی کا کردار ادا
کرتے ہوئے میرا کو قہام کراٹھایا تھا اور والدین
کی دعاؤں، محبتوں، خیراتوں پاک کے سائے تلے
پلٹی وہ عروسی گھاڑی میں بیٹھی یہ گاڑی شہر کا ایک
چکر لگ کے پھر عباس ہاؤس میں داخل ہوئی تو میں
پہلے پورشن کے سامنے رک گئی۔ پھر وہی لوگ
تھے جو میرا کو قہام کے آؤین کے کمرنگ لارہے
تھے۔

مگر ہلیز پر لاکے دک گئے کیونکہ وہاں سدرہ
اور زہیرہ سعدیہ مشرہ سب کھڑی تھیں راستہ
روکے۔
”نہ کیا ہے اب کیا رہ گیا ہے۔“ آؤین پھر
ہکا ہکا بولے۔

یہ نندوں کا بہنوں کا حق ہے جو تم دونوں
میں اپنی بستی مشترکہ طور پر ادا کرو گے۔ یا نہیں
بھائی پھر ہنس پڑیں وہ فوراً بیک اٹھا اس اطلاع
پر۔

”یہ کیا اول فذل نہیں ایسا کی ہوئی ہیں
آپ لوگوں نے۔“
”اپنی شادی سے پہلے تک تو تم ان رستوں
کے سب سے بڑے نمایاں تھے۔“ نسیم بولے تو وہ
بھڑک کے بولا۔

”آپ اپنے بدلے نہ لیں اور تم چاروں
کس خوشی میں گروپ بنائے ہو اور سب سالیوں
ہن کے نوٹ لیں اور اودھ خدیج بن تینھیں بہت
صحیح کر لیا ہے چلو پھٹی کرو۔“ وہ چلتی بھاگے بولا تو
بڑی اٹی کو اپنے پیچھے پر پھر سے دم آگیا۔

”یہ بانی کا کام بعد میں کر لینا انہیں اندر
جائے وہ مودی والا کھڑا دیکھ رہا ہے۔ اسے
خارج کر دو اور انہیں بھی آراستہ کرنے کا وہ سنا رہے
ہیں۔“ اور وہ سب شرافت سے ہٹ کر انہیں اندر
جائے کاراستہ دے گئیں۔

آؤین پیچھ کرنے کے لیے ڈرینگ روم
میں گیا تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کے دیکھنے لگی
پورا کمرہ دروازے سے لے کر بیڈ تک ان گنت
گلاب کی پیٹوں سے بھرا ہوا مسٹری میں لٹکی اصلی
موسیت نمایاں تھیں سائے کی دیوار پر ان کے نکاح
کی پورے ساڑھے تھوڑی تھیں۔ آؤین نے ڈرینگ
روم کا دروازہ کھولا تو اس کے حواس بیدار سے
ہو گئے تھے وہ یکدم پیکوں کی روشنی جھانک کر اگے
سوئی بیٹھ گئی۔

آؤین نے آستین فولد کرتے ہوئے لمحہ بھر کو
دیکھا تھا اور دیکھا رہ گیا۔

وہ بے حد حسین تھی یا داپہا ہے کاروب خفا کہ
لگا ہیں حسن کی آب و تاب سے خیرہ ہو رہی تھیں۔
وہ آہستہ رو سے چلتا اس کے قریب آہنیبا جب
سے چلتی کس نکالتے ہوئے کی کمرنگ لاکت سے

جھگاتی مولڈ کی چین نکالی اور اس کے گلے میں
ڈالنے لگا۔ میرا کو سوتے رہنے کی ایکٹنگ ختم
کر کے آنکھیں کھول پڑیں۔

”یہ تمہارا روشنائی گٹھ ہے۔ امی نے دیا
تھا تمہارا لیے۔“ وہ لاک لگا کے سنجیدگی سے
بولا۔

”یہ گٹھ دے کے اور مجھے اس کمرے میں
لا کے تم یہ مت سمجھا کہ تم میرے دل پر قبضہ
بجائے ہو۔ وجود پرستیں تو معمولی کام ہے یہ ہر
کمزور ذہنیت اور نفس پرست کا انسان کر سکتا ہے
مگر دل کی نفرت اور فاصلہ نہ ختم ہوں گے نہ تم
کر سکو گے۔“ وہ سکتے لہجے میں بولی تو ایک تانف
آہستہ سانس خارج کر کے وہ کئی دیر اس دیکھتا رہا
پھر اٹھ کر امرا اور پھر سے متوازن لہجے میں بولا
تھا۔

”تم اپنی نفرتیں مضبوط رکھو فاصلے مزید
بڑھاؤ مجھے جتنا برا سمجھ سکتی ہو مجھے۔“ اس کا ایک
وہ غلط بھی جس کی لپٹاؤ نے ہمارے دو میلان
عداوت کا پتھر رکھا اور ہمیں سب کی نظروں میں
ذلیل کر گئی اور سے سہی مگر سچ یہ آئی نے سب کو
اصلیت سے باخبر کر دیا تھا اور تمہاری سچائی سب
پر ثابت ہو گئی تھی۔ سب بڑے تھے تم سے معافی
تھیں مانگ سکتے تھے اتنے رویوں کی شفقت اور
نرمی سے میں وہ خیالات و فرائض کی مٹانا چاہتے تھے
اور امی کا خیال تھا کہ اس سارے واسطے کا فائدہ
جو نگہ میں ہوں لہذا ازالہ بھی مجھے کرتا ہوگا اور
سب سے بہتر طریقہ یہی تھا کہ تمہیں سب کی
لگا ہوں میں لگا کرنے والا ہی عزت و تحفظ کا
حصار دے کے سب کے لیے معزز بنادے اور
میں نے اس فیصلے پر غور کر دیا صرف ازالہ کو نہیں
بلکہ محبت کر پانے کے لیے جو مجھے بہت برسوں
سے تم سے کھٹی اور پردہ میں جا کر بھی میرے
احساس کو جکڑے رہی ہوں کہ خود کو تمہارا مجھ کر
میں کسی اور اور سمت دیکھ نہیں پایا۔“ وہ چند سنا

لحون کو رکھا پھر بولا۔
”یہ محبت ہی تھی جو مجھے اس شے کے لیے
تیار کر گئی اگر اس محبت کو تم زندگی بھر گرا پانے پر
قادر نہیں تو کم از کم دوستوں والا رویہ رکھو وہ بھی
نہیں تو بخوشی جا سکتی ہو دروازہ کھلا ہے۔“ وہ آگے
بڑھتے ہوئے بیڈ لگانے لگا تو میرا بوجھل سکتے
تھیں میں ڈولی بنا بیٹھیں بھگائے سب سن رہی تھی
میری سے بیڈ سے اتری۔

”اگر آپ کا ہر لفظ سچا ہے تو مجھے یقین ہے یہ
دروازہ بند ہی رہے ہیں اس دروازے سے بہت
سامان یقین اور امید ہے میرے والدین کی اور
میں اسے حکم رکھوں گی آپ اپنی محبت کو میرے
انصیب میں رکھیں تو یہ در خوشی سمجھ اور چاہت کی
اک لازوال مثال بنے گا۔“

اس کا خانی ہاتھ آؤین علی کے مضبوط مردانہ
ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔ آؤین نے کچھ لمحے اسے دیکھتے
رہے کے بعد اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بازو
دروازے کے اسٹے پہلو سے لگائے بیڈ کی سمت
بڑھا۔

”بہت حسین اور خوبصورت ہو تم اور مجھے ہر
تھنہ تمہارے حسن کی قیمت سے کم لگا تھا وہی ہے یہ
چھین تیری گردن سے لگ کے کج لگی ہے۔“
”یہ بھی امی نے دی ہے آپ نے نہیں آپ
کا گٹھ تو ادھا رہا ہے۔“ وہ دھیرے سے ہنس کر
بولا۔

”گٹھ بھی مل جائے گا پہلے یہ تو بتاؤ امی
شدید ناراضگی اور بے اطمینان سے مان لیتا کیا واقعی
میری محبت میرے جذبے اثر کر گئے۔“
”آپ کی محبت آپ کے جذبے تو ابھی
دیکھتے ہیں اگر تو بڑی امی اور امی نے کیا تھا یہ بتا کے
کہ وہ سب حقیقت سے واقف ہیں اور ان پر یہ
میری سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔“ وہ
آرام سے بولی۔
”مطلب سب جانتی تھیں پھر یہ نفرت لڑائی

Summer ka Smart Style



LIZA
Express yourself



NEW SUMMER ARRIVALS

to all delicious, smooth and feelers
ating 50 Years of Happiness

Servis

سب یقین بھی کر لیتے۔
”میں تم ایسا ہرگز نہیں ٹھہرے۔“ لہجہ سخت
رکھے کے یاد دواؤں کی آواز میں لرزش آمیز اٹھا
اڑا آئی۔

”تو پھر پانچ منٹ میں تمہارے پاس جلدی
سے صف کر کے لان میں پہنچو۔“ وہ مسکراہندہ ہاتھ
چھینکی سے کہتا ہوا نکلا۔ تو وہ دل میں اسے شاندار
ضمیمہ کی گالیوں اور کوسنوں سے نوازی وازو دہ
سے پکڑے نکالنے لگی۔

پھر مہندی مایوں کے سارے فنکشن میں
آزین ملی کو دیکھ کر اس کا دل جھکا رہا مزید تیل
پچھو کے شوشے نے پھٹک دیا۔

بھائی صاحب گھر کی قیادت ہے ساتھ میرا
کو مہندی لگا کے اس کی بھی رخصتی کر دیں سب
اکٹھے ہیں آپ بھی فرض سے سبکدوش ہوں۔“

اعجاز عباس اور ارشد عباس تائیدی انداز
میں کھانسی جھپٹ کر اڑے اور طرفہ کے منہ میں
ایک اور کھانسی کا پتہ نہ رہا۔

☆ ☆ ☆

اس بات پر کہ میں ایک اور دن غلوں ہوا تھا
اور انہوں نے خوشیوں، محبتوں سے بھر آؤنگی
ام سبب دلوں سے جھانکنا ساتھ وہ دلوں کی
کی وہ باتوں کو خوش آمدید کہتا چلا۔

اور اس طرح کے رگھستانی لپٹنے میں دلہنا ہے
کے تمام تر لوازمات سے بھرا گھر، مہنگا و بھروسہ
قالتانہ سب سے آؤں گی کے برابر بیٹھی میرا۔

اور میری طرح کے لپٹنے میں دلہن بنی
بخار و بھروسہ اور فیصلہ ندرت شہ کے چہرے پر حیا
آہستہ آہستہ جلی سبب بکھیر رہا تھا فیصلہ لکھ کے
مسکرا رہا تھا۔ جبکہ خوشی و سکون آمیز طمانیت کی
چمک سے نکلا رہا تھا۔

شہرہ میرا سے پہلے رخصت ہو رہی تھی رخصتی
کے سے لگے ملنے ہوئے اس نے میرا کے ہاتھ
تھام کے کہا تھا۔

جیت ہے تو خود کو چھڑا لو۔“ وہ دوسرے ہاتھ سے
کھینچ کر اسے مزید قریب کرتے ہوئے بولا تو گرم
سانسوں کی پیش سے اس کے زخماں جھلنے لگے اور
دل عجیب ارتقا میں سے دو جا رہے تھے۔

”یہ لوہا ہے مجھے شمع کرنے کی۔“ وہ اس
کا نظریہ چہرہ اپنے چہرے سے لگا کے میرا کے
نرم ہونٹ چھو گیا تو ایک حدت آمیز شعلہ پورے
وجود کو ہلا گئی وہ لمحہ ٹھہر میں پیسے سے بھری۔

”تم سچے انسان چھوڑ دو مجھے روت میں چلا چلا
کے سب کو اکٹھا کر لوں گی۔“ خود کو چھڑا نے کی سٹی
میں ناکام ہو کر وہ گلوں کو لپٹے میں بولی۔

”تو بلاؤ سب کو منہ کون کر رہا ہے زیادہ سے
زیادہ بکنی کہہ دیں گے کہ آخر شہرہ میرا شہرہ کوئی
جسارت کر بھی گیا تو مجھے تم سب دیکھیں۔“ بدنام تو

تم ہی ہوگی پھر بھی۔“ وہ اس کے ملائم ہونٹوں
اکٹھت شہادت چھہرے سے۔“ خیر بولا تو اس سے
معنوں میں جوش و خروش نکلا۔ میرا اپنا اور وہ

ایک بار پھر گھر کے مکتوب کو دیکھ کر
چلا گیا مگر یہ کوشش اس کے اگلے
کرکھی وہ اس کے سینے کے

رہی تھی۔
”دیکھ کر شہرہ میرا کو
میرا ہی آتا ہے۔“

”وہ دن آگے نہیں آئے گا میں سوچوں ہوں تم
پر۔“ وہ تقرت سے بولی تو آؤں گی کچھ دیر پڑی
توجہ و چھینکی سے اس کی شہرہ لگا ہوں میں دیکھتا
رہا پھر یکدم اسے آزاد کرتے ہوئے مسکرا کے

بولا۔
”اس دن کیا ہو گیا پھر بتاؤں گا ابھی تو میں
جا کے شہرہ اور میں سے کہہ رہا ہوں کہ میرا اور شہرہ

ہے وہ شادی اس دیکھ کے مارے اٹھنا نہیں کر رہی
کہ مجھ سے پہلے شہرہ کیوں رخصت ہو رہی
ہے۔“ میرا سے لپٹا ہوا دیکھا تھا اس سے کچھ لپٹ

دیکھا وہ۔
”طرح طرح کے لپٹنے کی دیکھ کر

”میرا جو اختلاف ہے اسے بھلا کے دیکھنا میرا بھائی بہت محبت کرنے والا پر غصوں اور اچھا ہم سفر ثابت ہوگا وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے تم سے پہلے اس نے کس کے لیے یہ چاہا تھا اس کے سارے جذبے خالص تھے اور صرف تم سے وابستہ ہیں اس کو خوش رکھنے اور خود خوش رہنے کی کوشش کرنا میری دعا ہے اللہ تم دونوں کو ہر دولت سکون اور نعمت، خوشی سے نوازے اور تم لوگ ایک خوشیوں ہزاروں بھری زندگی بسر کرو۔“ غمزدہ تم لگا ہیں لیے علی تو اس کی آنکھیں پھٹک پڑیں۔

”اونیوں ابھی تمہاری اور تصویریں اور محوی بنا ہے میک اب خراب نہ کرو۔“ آؤین نے ٹوکا تو اسے ہمراہ کھڑے خود پرہ، کچلے سے شخص کو دیکھ کر اس کے احساسات میں ایک سنگینی کیفیت ابھرا آئی۔

”کوڑا اور بہنوں کی چھیل چھاؤ مذاق اور دودھ پانی کے دوران بحث کو اعتماد سے جھپٹا بہت خوش تھا وہ۔“

سید پر اور بشرہ کو نیک کی انگوٹھی پہنا کے تیسرا ہاتھ آگے ہوا تو اس نے چونک کے دیکھا وہ سدرہ تھی۔

”ارے تم کہاں بھی تمہارا یہاں کہاں کام بنا ہے ویسے بھی تم تو دلہا کی بہن ہو۔“ آؤین فوراً بولا۔

”نہیں اب میں میرا آئی کی تانازا وہیں کے طور پر دودھ پانی کی رسم میں شریک ہوں تو یہ حق تو آپ کو دینا پڑے گا۔“ سدرہ نے کہا۔

”اور ابھی تو زخیرہ بھی ہے اسے بھی فارغ کرنا ہے۔“ یا مین بھائی بیٹھے ہوئے پولیس اودہ فوراً ہاتھ بچا کر جیب پر رکھ لیا۔

”میں بھی ایک گلاس دودھ کے پڑے اتنی زیادتی اتنا مہنگا دودھ ہے تو پہلے بتائے میں ہر نہ چتا۔“

”اب تو بی لیا۔ قیمت ادا کرتی پڑے گی ویسے بھی یہ دودھ تو قسمت والوں والوں کو ملتا ہے یہاں اسے لڑکے موجود ہیں کسی اور کو ملا۔“ فہیم نے لقمہ دیا۔

”بھائی بیگم کی حمایت کو آپ بھی لوٹا پارٹی میں مل گئے۔“ سدرہ کو دیکھ کر وہ از حد صدمے سے بولا تو سب میں پڑے۔

”چلو بھی جلدی کرو لڑکیوں کو فارغ، یہ کام پڑے گا تم تم لڑکوں کے حقدار ہو گے۔“ یا مین بھائی پھر پولیس تو اسے مجبور ہزار ہزار نکال کے سدرہ اور زخیرہ کو دیتے پڑے ہوا انہوں نے قدرے قابل سے قہام لیے بڑی امی کے کہنے پر۔

”چلو نعمان اب تمہاری باری ہے بیٹھو بھائی کی گود میں۔“ ارشد نے کہا تو وہ فوراً سنگلی سے بولا۔

”یہ کیا ہے ہوگی ہے۔“

”یہ وہ ہی ہے ہوگی ہے جو تم نے میری گود میں رکھی۔“ یا مین بھائی نے اسے گود میں لے کر رکھا تو مٹکیں جیٹا تھا۔ وہ مجبور کے بولا۔

”گھٹنا پڑا تھا اب یہی رسم نعمان اور راحیل انجام دیں گے چلو کو ایک ایک گھٹنا پکڑ لو۔“ فہیم بیگم کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔

”یہ راحیل کیوں نعمان اکیلا گھٹنا پکڑے گا۔“ آؤین پھر بول بڑا جبکہ میرا بالکل خاموش سر جھکا کر بیٹھی تھی۔

”میرا پس خالی کرنے کو تو تم نے خاندان بھر کے لڑکے کھانچ کر کے ہزار ہزار دلوائے تھے۔ پورا پانچ ہزار گیا تھا اب تم ڈبل کر کے دو۔“ یا مین بھائی خوب بدلہ لے رہی تھی۔

”اور ویسے بھی یہ بیگم تو بھائی دین کی اپنے ذاتی پس سے آپ کا دل کیوں بیٹھا جا رہا ہے۔“ نعمان نے چوتھی کی۔

بڑا بڑی یہ ساری ڈرامہ بازی تھی محض ستارے جلتے کو۔“ وہ حقیقتاً حیرت میں آ گیا۔

”تو آپ نے کوئی کم چلایا تھا مجھے بدلہ تو میں نے بھی تھوڑا لیا کہ سس آ گیا جلدی۔“

”بہت چالاک ہو تم سیدھا کرنا پڑے گا۔“ وہ مصنوعی غصہ سے بولا۔

”ویسے سب نے میرا ساتھ خوب دیا ڈانے میں جیسے آپ کا ساتھ دیا ہے۔“ میرا بیٹے ہوئے بولی۔

”سب کو تو میں اب صبح پوچھوں گا پہلے تم آؤ اور۔“ آؤین نے اسے کھیجا۔

”اونہوں ایسے نہیں میرا گفٹ تو دے دیں۔“ وہ پیچھے ہٹے ہوئے بولی۔

”گفٹ ہی تو دینے لگا ہوں تم نزدیک تو آؤ۔ اب اتنی دوری سے کیا زوں۔“ آؤین کا انداز مٹی خیز تھا جیسے مجھے بغیر وہ بڑے اشتیاق سے اس بالکل فریب آگے بولی۔

”اس میں گفٹ۔“

اور آؤین نے اس کے ہاتھوں میں بھر دے ہوئے گرفت میں لیا تو وہ سمسما کے بولی سیدھا مذاق سے گفٹ دیں سیدھے طریقے سے۔

”گفٹ ہی دینے لگا ہوں تم آرام سے لو تو سہی۔“

وہ اس کے شگرتی ہونٹوں کے چوتھے ہوئے بولا تو اس نے گھورتا جا یا مگر آؤین علی کی پرشوق محبتوں، شدتوں اور شوق جہازتوں نے بے ساختہ لگا لیں جھکانے یہ مجبور کر دیا۔

”بولو میری چاہتوں اور میری محبتوں کے حقے قبول کرو گی۔“

حدتوں اور اربانوں سے بھرنازم لہجے اس کے پیچھے پر حیا آمیز قسم کے گلاب بھر گیا۔ قبول ہے اس کا مذم لہجہ ابھر اچھر وہ فوراً آؤین علی کے سینے میں منہ چھپا لئی اور کوڑی رات اس کا دامن چاند ستاروں جگنوؤں سے گھر لے گئی۔

دوست

بہارے کچھ مشتاق نامی لڑکے سے بہت جوار تھے۔ مشتاق کا کمال یہ تھا کہ اسے جو بھی مضمون لکھنے کو کہتے۔ اس میں کہیں نہ کہیں سے ”میرا بہترین دوست“ ضرورت کر دیتا تھا۔ کیونکہ یہ وہ واحد مضمون تھا جو اس کو فرار یا قحطیلا اگر کیا جاتا کہ لیلے انکسٹن پر مضمون لکھو تو وہ کچھ یوں لکھتا کہ میں اور میرے ماں باپ بچوں کی ملاپ جانے کے لیے ریلوے انکسٹن گئے۔ وہاں گاڑی کی کھڑکی تھی اور گاڑی میں میرا بہترین دوست زاہد حسین بیٹھا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکم پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔

اگر اسے ”میرا استاد“ مضمون لکھنے کو کہتے تو وہ لکھتا کہ سائرساتھ میرے پسندیدہ استاد ہیں۔ ایک روز میں ان کے گھر گیا۔ وہاں میرا بہترین دوست زاہد حسین بیٹھا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکم پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔

ظاہر ہے جب کرکٹ کچا یا بیک کی باری آتی تو وہاں بھی زاہد حسین موجود ہوتا۔ ٹک آکر سائرس صاحب نے کہا کہ دیکھو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر جگہ تمہارا دوست زاہد حسین موجود ہو۔ آج تم ہوائی جہاز پر مضمون لکھو اور یاد رکھو کہ ہوائی جہاز میں زاہد حسین موجود نہیں ہے۔

دوسرے دن مشتاق نے جو مضمون لکھا وہ کچھ اس طرح سے تھا۔ ”میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ایئر پورٹ گیا۔ وہاں جہاز کھڑا تھا۔ جہاز کے دروازے اس میں اہم بیٹھے گئے۔ جہاز میں زاہد حسین نہیں تھے پھر جہاز اڑنے لگا۔ میں نے کھڑکی سے بیچے چھانکا تو زمین پر میرا بہترین دوست زاہد حسین جا رہا تھا۔ زاہد حسین میرا کلاس فیلو ہے۔ اس کے تین بہن بھائی ہیں۔ اس کا باپ محکم پولیس میں آفیسر ہے۔ زاہد حسین بہت اچھا لڑکا ہے۔“

سائرس صاحب نے مضمون پڑھ کر مولا علی اٹھائی اور مشتاق غریب کا جلوس نکال دیا۔

(کتاب ”گزراؤ نہیں ہوتا“ سے اقتباس)